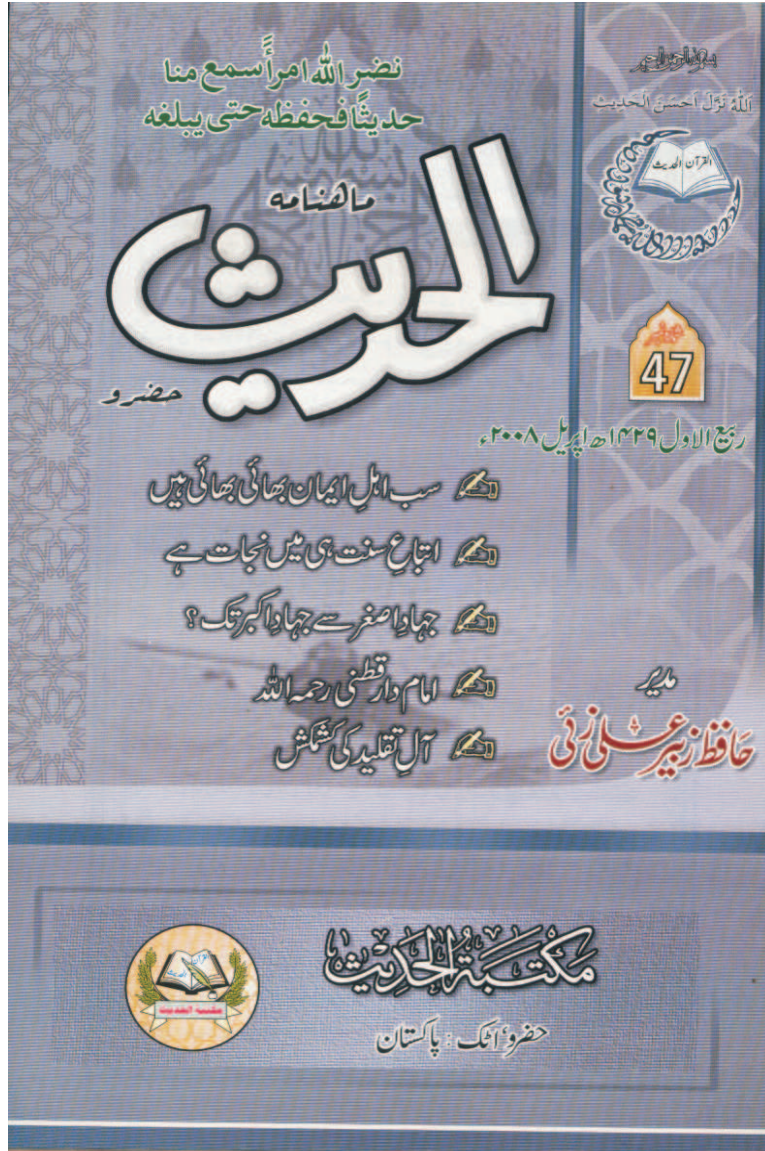


MAKTABA TUL HADITH HAZRO

By Alhadith at 10:39:59 PM, 3/26/2015



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَدْرِسہ

حافظ زبیر علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر 0301-6603296
ابو جابر عبد اللہ داماد 0300-7062081
محمد صفدر حفرونی ابو خالد شاکر
برائے رابطہ

طارق مجاہد یزمانی 0302-7711418
اعظم بلال 0302-5756937

اللَّهُ تَعَالَى أَحْسَنُ الْحَدِيثِ

الحديث

ناہنٹامہ

نضر اللہ امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | ربیع الاول ۱۴۲۹ھ | اپریل ۲۰۰۸ء | شمارہ: 4

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے
سالانہ : 150 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک
200 روپے

خط کتابت

مکتبہ الحدیث
حضرت ضلع انک

ناشر: حافظ شیر محمد
0300-5288783

تمام اشاعت

مکتبہ الحدیث
حضرت ضلع انک

اس
شمارے میں

سب اہل ایمان بھائی بھائی ہیں حافظ زبیر علی زئی 2
اتباع سنت ہی میں نجات ہے حافظ زبیر علی زئی 4
توضیح الاحکام/سوال جواب حافظ زبیر علی زئی 9
عیسیٰ بن جاریہ الانصاری رحمہ اللہ حافظ زبیر علی زئی 15
فضائل اعمال حافظ ندیم ظہیر 23
صحیح بخاری کا دفاع (قسط: ۴) حافظ زبیر علی زئی 27
فاتحہ خلف الامام حافظ زبیر علی زئی 44
امام وارث قسطنی رحمہ اللہ ابو معاذ 47
اجماع اور اجتہاد ابو معاذ 48
آل تقلید کی کشمکش ابن قیم 49

حافظ زبیر علی زئی

کلمۃ الحدیث

سب اہل ایمان بھائی بھائی ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں لہذا اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ تم ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ اور نہ بُرے القاب سے کسی کو پکارو۔ ایمان لانے کے بعد فاسق ہونا بہت بُرا نام ہے اور جو لوگ توبہ نہیں کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔

اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے دُور رہو، بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم تو اُسے بُرا سمجھتے ہو! اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور مختلف قومیں اور قبیلے بنا دیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے دربار میں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ جاننے والا (اور ہر چیز سے) باخبر ہے۔

(سورۃ الحجرات: ۱۰-۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم ہونے دیتا ہے۔ جو آدمی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا تو اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو کسی مسلمان (بھائی) کی مصیبت دُور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے اُس کی مصیبت دُور کرے گا۔ جس نے اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی تو اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (صحیح بخاری: ۲۴۳۲، صحیح مسلم: ۲۵۸۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور آپس میں حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کی طرف (ناراضی سے) پیٹھ نہ پھیرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ بائیکاٹ کرے۔ (موطأ امام مالک روایت ابن القاسم تحقیقی: ۴، صحیح بخاری: ۶۰۷۶، صحیح مسلم: ۲۵۵۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے کے ساتھ محبت، الفت اور رحم کرنے کی مثال ایک جسم کی طرح ہے، جب اس کا ایک عضو (حصہ) بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم اس کے لئے بخار اور بیداری کے ساتھ تکلیف میں رہتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۶، واللفظ لہ، صحیح بخاری: ۶۰۱۱)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے (ساری دنیا کے) لوگو! سن لو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، سرخ کو کالے پر اور کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے، کیا میں نے نہیں پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے پہنچا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: حرمت والا دن (جمعہ) ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا: حرمت والا مہینہ ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا: حرم (مکہ) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے تم پر تمہارے خون اور اموال حرام قرار دیئے ہیں۔ راوی نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے عزتوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ آج کے دن کی طرح اس (حرمت والے) مہینے میں، اس (حرمت والے) شہر میں، کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے پہنچا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: حاضر غائب تک پہنچا دے۔

(مسند احمد ۴/۵ ج ۲۳۳۸۹ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ دین اسلام میں عربی عجمی، کالے گورے، پٹھان پنجابی سندھی بلوچی، پاکستانی ہندوستانی اور ملکی غیر ملکی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ سب اہل ایمان بھائی بھائی ہیں لیکن تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو مسلمانوں کو فرقوں اور ٹکڑیوں میں بانٹنا چاہتے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی

فقہ الحدیث

اتباع سنت ہی میں نجات ہے

باب الاعتصام بالکتاب والسنة

الفصل الاول

۱۴۰ (عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: ((من أحدث في أمرنا

هذا ما ليس منه فهو رد)) متفق عليه .

(سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے

ہمارے حکم (دین) میں ایسی بات نکالی جو اس میں موجود نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

متفق علیہ (صحیح بخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸/۱۷)

فقہ الحدیث:

① دین میں ہر وہ نئی بات جو قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں

بدعت کہلاتی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جیسا کہ آنے والی حدیث (۱۴۱) میں ہے۔

② ایک طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ مسجد میں حلقوں کی صورت میں کنکریوں

پر سودفعہ اللہ اکبر، سودفعہ لا إله إلا الله اور سودفعہ سبحان الله پڑھ رہے تھے تو سیدنا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں اس حرکت سے منع کر دیا۔

دیکھئے سنن الدارمی (ج ۱ ص ۲۸۶، ج ۲ ص ۲۱۰ وسندہ حسن)

اس روایت کو سر فراز خان صفدر دیوبندی نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے راہِ سنت (ص ۱۲۳)

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحدث في ديننا ما ليس منه فهو رد)) جس نے ہمارے دین میں کوئی

ایسی بات نکالی جو اس میں موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔

(جزء من حدیث لویں: ۶۹ وسندہ صحیح، شرح السنۃ للبقوی: ۱۰۳، وسندہ حسن)

- تنبیہ: حدیثِ لَوْنِ کا حوالہ المکتبۃ الشاملۃ سے لیا گیا ہے۔
- ④ جو شخص کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور ہر قسم کی بدعات سے دور رہتا ہے تو یہ شخص صراطِ مستقیم پر گامزن اور کامیاب ہے۔
- ⑤ مشہور تابعی امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم سے پہلے گزرنے والے علماء فرماتے تھے کہ سنت کو مضبوطی سے پکڑنے میں نجات ہے۔ (سنن الدارمی: ۹۷۷ و سندہ صحیح)
- ⑥ تابعی عبداللہ بن فیروز الدیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے پتا چلا ہے کہ دین کے خاتمے کی ابتداء ترکِ سنت سے ہوگی۔ (سنن الدارمی: ۹۸۰ و سندہ صحیح)
- یاد رہے کہ حجت ہونے کے لحاظ سے حدیث اور سنت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جیسا کہ سلف صالحین اور اصول حدیث سے ثابت ہے لہذا جو شخص صحیح حدیث کا تارک ہے وہ سنت کا بھی تارک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تارکِ سنت پر لعنت بھیجی ہے۔
- دیکھئے سنن الترمذی (۲۱۵۴، و سندہ حسن)
- ⑦ جلیل القدر تابعی امام حسان بن عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو قوم بھی اپنے دین میں کوئی بدعت نکالتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُن سے سنتیں اُٹھا لیتا ہے پھر وہ سنتیں قیامت تک اُن کے پاس واپس نہیں آتیں۔ (سنن الدارمی: ۹۹۰ و سندہ صحیح)
- ⑧ مشہور جلیل القدر تابعی امام اور فقیہ ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی رحمہ اللہ نے فرمایا: بدعتی لوگ گمراہ ہیں اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ (سنن الدارمی: ۱۰۱، و سندہ صحیح)
- ⑨ یاد رہے کہ شریعت میں بدعات کا تعلق اُن ایجادات سے ہے جن کا بغیرِ ادلہ شرعیہ کے دین میں اضافہ کیا گیا ہے، رہی دنیاوی ایجادات تو ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ حدیث ((أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ .)) تم دنیا کے معاملات زیادہ جانتے ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۳۶۳، دار السلام: ۶۱۲۸) کی رُو سے وہ تمام دنیاوی ایجادات جائز ہیں جن کے ذریعے سے شریعت پر کوئی زد نہیں آتی۔
- ⑩ حمص شام کے تبع تابعین میں سے ثقہ امام ابو زرعہ یحییٰ بن ابی عمر السبائی رحمہ اللہ

(متوفی ۱۲۸ھ) فرماتے ہیں: یہ کہا جاتا تھا کہ بدعتی کی توبہ اللہ قبول نہیں کرتا اور (دوسری بات یہ ہے کہ) بدعتی ایک بدعت چھوڑ کر اُس سے زیادہ بُری بدعت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(کتاب البدع والنہی عنہا: ۱۴۳، وسند حسن)

معلوم ہوا کہ اگر کوئی بدعتی اپنی بدعت سے لوگوں کے سامنے توبہ بھی کر لے تو پھر بھی کافی عرصے تک اسے زیرِ نگرانی رکھنا چاہئے کیونکہ عام اہل بدعت کا یہی دستور ہے کہ وہ ایک بدعت سے نکل کر دوسری خطرناک بدعت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

(۱۴۱) وعن جابر قال قال رسول الله ﷺ: ((أما بعد! فإن خير الحديث

كتاب الله و خير الهدي هدي محمد و شر الأمور محدثاتها و كل بدعة ضلالة)) رواه مسلم .

(سیدنا) جابر (بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أما بعد! بے شک بہترین حدیث کتاب اللہ ہے اور بہترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ اعمال میں سب سے بُرا عمل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اسے مسلم (۸۶۷/۴۳) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

- ① تقریر سے پہلے (اور مسنون خطبے کے بعد) اما بعد کہنا سنت ہے۔
- ② حدیث رسول کی طرح کتاب اللہ (قرآن) کو حدیث کہنا قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ الزمر آیت: ۲۳
- ③ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہر قسم کی بدعت گمراہی، باطل اور مردود ہے۔
- ④ جو عمل سنت سے ثابت ہو اور عوام میں جاری نہ ہو، پھر اس ثابت شدہ عمل کو دوبارہ جاری کر دیا جائے تو لغوی اعتبار سے اسے بدعت کہا جاسکتا ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول ”نعم البدعة هذه“ یہ اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۰۱۰) کا یہی مطلب ہے لیکن جس عمل کا کتاب و سنت اور اولہ شرعیہ میں کوئی ثبوت ہی نہ ہو تو اسے بدعت حسنہ قرار دینا

غلط ہے۔ شریعت میں بدعتِ حسنہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر بدعت گمراہی ہے۔ اگرچہ (بعض) لوگ اسے اچھا سمجھتے
ہوں۔ (السنة للرموزی: ۸۲، وسندہ صحیح)

- ⑤ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
(من و قر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام.) جس نے کسی بدعتی کی
عزت کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی۔ (الشریعة للآجری ص ۹۶۲ ج ۲۰۴، وسندہ صحیح)
اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور شیخ البانی وغیرہ کا اسے ضعیف قرار دینا غلط ہے۔
ابوالفضل عباس بن یوسف الشکلی مقبول الروایہ راوی ہیں۔
دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۴/۲۳۳) اور الوافی بالوفیات (۳/۱۶۳)
⑥ مشہور تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اپنے ایک شاگرد کو ایک بدعتی کے پاس بیٹھے
ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس کے پاس ہرگز نہ بیٹھو۔ (سنن الدارمی: ۳۹۸، وسندہ صحیح)
⑦ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بدعتی کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔

- (سنن الدارمی: ۳۹۹، وسندہ حسن، وقال الترمذی [۲۱۵۲]: ”حسن صحیح غریب“)
⑧ ایک بدعتی نے امام ایوب بن ابی تمیمہ السخنی رحمہ اللہ سے کہا کہ میں آپ سے ایک
بات پوچھنا چاہتا ہوں تو انھوں نے جواب دیا: آدھی بات بھی نہیں، اور انھوں نے اس شخص
سے منہ پھیر لیا۔ (سنن الدارمی: ۴۰۴، وسندہ صحیح، الشریعة للآجری ص ۹۶۳ ج ۲۰۴، وسندہ صحیح)
⑨ مشہور ثقہ امام زائدہ بن قدامہ رحمہ اللہ صرف اہل سنت کو حدیث پڑھاتے تھے،
فرماتے ہیں: ”نحدث أهل السنة“ ہم (صرف) اہل سنت کو حدیثیں سناتے ہیں۔
(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۲۰۸، وسندہ صحیح)
⑩ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں تہتر (۷۳) فرقے ہو
جائیں گے جن میں صرف ایک جنتی ہے اور باقی سارے فرقے جہنمی ہیں۔ اسے درج ذیل
صحابہ کرام نے روایت کیا ہے:

۱۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ (سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۲ وسندہ حسن)

۲۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (سنن ابی داود: ۴۵۹۷ وسندہ حسن)

۳۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ

(المعجم الکبیر للطبرانی ۳۲۱/۸ ح ۸۰۳۵ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۸۸/۸، وسندہ حسن)

اس روایت میں فرقہ ناجیہ السواد الا عظم کو قرار دیا گیا ہے اور حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں الجماعۃ کا لفظ ہے، ان سب سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی جماعت حقہ اور یہی السواد الا عظم ہے۔ (نیز دیکھئے کتاب الشریعۃ الآجری ص ۱۴، ۱۵، دوسرے نسخہ ص ۱۷)

خیر القرون کے گزر جانے کے بعد شر القرون کے بعض مبتدعین کا اپنے آپ کو سواد الا عظم قرار دینا اسی طرح غلط ہے جس طرح ایک صحیح العقیدہ مسلمان بہت سے گمراہوں کے اکثریتی علاقے میں رہ رہا ہو اور اکثریتی لوگ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وتفترق أمتي على ثلاث و سبعين فرقة))

اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ (سنن الترمذی: ۲۶۴۰ وقال: ”حدیث حسن صحیح“

وسندہ حسن و صحیح ابن حبان: ۱۸۳۴، والحاکم ۱۲۸/۱، علی شرط مسلم ووافقتہ الذہبی!)

یہ تینوں یا چاروں روایتیں اپنے مفہوم کے ساتھ صحیح لغیرہ ہیں بلکہ بعض علماء نے تہتر فرقوں والی حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔ دیکھئے نظم الامتنان ثمرن الحدیث المتواتر للکتانی (ص ۱۸ ح ۱۷۷)

فرقوں والی بعض روایات ذکر کرنے کے بعد امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں: ”رحم اللہ عبدًا حذر هذه الفرق و جانب البدع و اتبع

ولم يتبدع و لزم الأثر و طلب الطريق المستقيم و استعان بمولاه الكريم“

اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے ان فرقوں سے ڈرایا اور بدعات سے دوری اختیار کی،

اس نے اتباع کی اور بدعات کی پیروی نہیں کی، اس نے آثار کو لازم پکڑا اور صراط مستقیم کی

طلب کی اور اپنے مولیٰ کریم (اللہ) سے مدد مانگی۔ (الشریعتہ ص ۱۸، دوسرے نسخہ ص ۲۰ قبل ح ۳۰)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

سجدوں میں ایڑیاں ملانا

سوال: رسول اللہ ایک دن میں پانچ بار نماز پڑھتے تھے۔ سنن و نوافل اس کے علاوہ ہیں، جن صحابہ نے رسول اللہ (ﷺ) کی نماز ذکر کی ہے انھوں نے نماز میں حالت سجدہ میں ایڑیاں ملانا ذکر (نہیں) کیا ہے۔ اس لئے میں نماز میں سجدے میں ایڑیاں نہیں ملاتا۔ (جس روایت میں آیا ہے کہ سجدے میں آپ ﷺ کے دونوں پاؤں ملے ہوئے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ) میرے خیال میں رسول اللہ (ﷺ) نماز کے بغیر ہی سجدہ ریز تھے۔ کیا محدثین نے مذکورہ روایت کو حالت نماز پر محمول کیا ہے؟ کیا محدثین نے حالت نماز میں سجدے کی حالت میں ایڑیاں ملانے کے باب باندھے ہیں؟

نوٹ: میرا مقصد سمجھنا، تحقیق کرنا اور ان شاء اللہ اس پر عمل کرنا ہے، محض اعتراض کرنا نہیں۔ جوابی لفافے کے ذریعے جواب دیجئے۔ جزاک اللہ والسلام

(صفدر حسین [شیخ صاحب قسطوں والے] لاہور)

الجواب: سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا ملانا آپ ﷺ سے باسند صحیح ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۶۵۴) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۹۳۰) ولسنن الکبریٰ للبیہقی (۱۱۶/۲) وصحیح الحاکم (۲۲۸/۱، ۲۲۹) علی شرط الشيخین ووافقه الذہبی۔

اب اگر ایک ہزار راویوں نے بھی اسے روایت نہیں کیا تو کوئی بات نہیں صرف ایک صحابی کی روایت بھی کافی ہے لہذا امام ہو یا مقتدی یا منفرد ہر نمازی کو یہ چاہئے کہ سجدے میں اپنے دونوں پاؤں ملا لے۔ محدثین کرام نے پاؤں ملانے والی حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں سجدوں میں پاؤں ملانے کے باب میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں:

”باب ضم العقبین فی السجود“ سجدوں میں ایڑیاں ملانے کا باب، لہذا آپ کا خیال صحیح نہیں ہے۔ (۸/اگست ۲۰۰۷ء)

ثقفہ کی زیادت

سوال: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: ”لہذا جب سلیمانؑ کے برعکس شعبہ، ہشامؑ، معمرؑ وغیرہ جو اس سے زیادہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ اس زیادت کو ذکر نہیں کرتے تو یہ روایت شاذ ہوئی جب کہ شاذ کی تعریف یہی ہے کہ جس میں ثقہ واثق کی مخالفت کرے....“
(توضیح الکلام، طبع جدید ص ۶۶)

پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایک راوی کا زیادت کا ذکر کرنا ذکر نہ کرنے والوں کی مخالفت ہے؟
جیسا کہ اس کلام سے بظاہر لگ رہا ہے۔

برائے مہربانی شاذ کی تعریف میں، مخالفت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ وضاحت کریں۔ ثقہ کی زیادتی کب مقبول ہوتی ہے اور کب شاذ؟ (شعیب محمد، سیالکوٹ)
الجواب: مولانا اثری صاحب کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کسی زیادت کو ذکر نہ کرنا مخالفت نہیں ہوتی اور نہ اسے شاذ کہنا صحیح ہے۔ اس میں راجح یہی ہے کہ اگر ایک ثقہ راوی کئی ثقہ راویوں (یا واثق) کی مخالفت کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحديث لابن کثیر (۱۸۲/۱ بتعلیق الالبانی)

مثلاً ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ تشہد میں شہادت کی انگلی ہلاتے تھے اور دوسری میں ہے کہ نہیں ہلاتے تھے۔ دوسری روایت کی سند محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور پہلی صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ یا منکر بھی ہے۔

اگر ثقہ کی سند اور متن میں زیادت کو شاذ قرار دیا جائے تو بہت سی صحیح احادیث کا انکار لازم آتا ہے جو کہ غلط ہے۔

تنبیہ بلغ: صحیح مسلم میں سلیمان التیمی رحمہ اللہ کی بیان کردہ حدیث ((وإذا قرأ فانصتوا)) اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ، صحیح محفوظ ہے، بعض ائمہ کا اسے ضعیف و معلول قرار دینا صحیح نہیں اور نہ صحیح مسلم کی احادیث کو ضعیف اور شاذ کہنا جائز ہے۔ یاد رہے

کہ بعض الناس کا اس سے فاتحہ خلف الامام کے خلاف استدلال دو وجہ سے غلط ہے:
① یہ حدیث حنفی اصول کی رو سے منسوخ ہے کیونکہ اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے
فاتحہ خلف الامام کا فتویٰ دیا ہے۔

② یہ حدیث ماعد الفاتحہ (فاتحہ کے علاوہ مطلق قراءت) پر محمول ہے کیونکہ فاتحہ خلف
الامام کی تخصیص دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اصول میں یہ مسئلہ مقرر ہے کہ خاص
عام پر مقدم ہو کر اس کی تخصیص کر دیتا ہے۔ (۱۵/اگست ۲۰۰۷ء)

جہاد اصغر سے جہاد اکبر والی روایت ضعیف ہے

حدیث ”قدمتم خیر مقدم من الجہاد الأصغر إلى الجہاد الأكبر“
(تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آ گئے ہو) کی میرے علم کے مطابق دو ہی
سندیں ہیں:

۱: یحییٰ بن العلاء قال: حدثنا لیث عن عطاء بن أبي رباح عن جابر قال:
قدم النبي ﷺ من غزاة له فقال لهم.... الخ (تاریخ بغداد ۳/۵۲۳: ۵۲۴ ت ۳۷۵
ومن طريقه الحافظ ابن الجوزي في ذم الهوى ص ۳۸، الباب الثالث في ذكر مجاهدة النفس ومحاسبتها وتوبتها)

یحییٰ بن العلاء سخت مجروح راوی ہے۔ امام نسائی نے کہا: ”متروك الحديث“
(کتاب الضعفاء والمتر وکین للنسائی: ۶۲۷)

حافظ ابن حجر نے کہا: ”رمي بالوضع“ (تقریب التہذیب ۴/۹۷، رقم: ۷۱۸)
یعنی محدثین نے اسے وضع حدیث کا مرتکب قرار دیا ہے۔ ایسے راوی کی روایت مردود ہوتی
ہے۔ یحییٰ بن العلاء تک خطیب کی سند بھی مردود ہے۔ یحییٰ کا استاد لیث بن ابی سلیم جمہور
محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ بیہقی نے اسے مدلس کہا ہے۔

(مجمع الزوائد ۸۳/باب فی مثل المؤمن)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”صدوق اختلط أخيراً ولم يتميز حديثه فترك“
وہ سچا ہے، آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوا اور اس کی حدیث میں (اختلاط سے پہلے اور بعد کا)

فرق نہ ہو سکا لہذا وہ متروک قرار دیا گیا۔ (تقریب التہذیب: ۵۶۸۵)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت باطل ہے۔

تنبیہ: تاریخ بغداد میں غلطی سے ”یحییٰ بن أبی العلاء“ چھپ گیا ہے جب کہ صحیح ”یحییٰ بن العلاء“ ہے جیسا کہ ذم الہوی لابن الجوزی میں لکھا ہوا ہے۔

۲۔ امام بیہقی نے فرمایا: ”أخبرنا علي بن أحمد بن عبدان: أنبأ أحمد بن عبيد: ثنا تميم: ثنا عيسى بن إبراهيم: ثنا يحيى بن يعلى عن ليث عن عطاء عن جابر قال: قدم على رسول الله ﷺ قوم غزاة فقال ﷺ: ((قدمتم خير مقدم، من جهاد الأصغر إلى جهاد الأكبر)) قيل: وما جهاد الأكبر؟ قال: ((مجاهدة العبد هواه)) وهذا إسناد فيه ضعف“

رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مجاہدین آئے تو آپ نے انھیں فرمایا: تم خیر سے لوٹے ہو، جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف واپس آئے ہو۔ کہا گیا کہ جہادِ اکبر کیا ہے؟ فرمایا: بندے کا اپنی خواہش سے جہاد (اور مقابلہ) کرنا، (امام بیہقی نے کہا: اس کی سند میں کمزوری ہے۔
(کتاب الزہد الکبیر ص ۱۶۵ حدیث: ۳۷۳)

اسے ابوبکر الشافعی نے ”الفوائد المنتقاة“ (۱/۸۳/۱۳) میں عیسیٰ بن ابراہیم البرکی قال: نا یحییٰ بن یعلیٰ کی سند سے روایت کیا ہے۔

(سلسلة الأحادیث الضعيفة ج ۵ ص ۲۸۰ ح ۲۳۶۰)

تمتہام اور عیسیٰ بن ابراہیم پر جرح مردود ہے۔ دونوں کی روایت حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ یحییٰ بن یعلیٰ سے مراد ابوالحیاء الکوفی النبی ہے۔

دیکھئے تہذیب الکمال للزمز (۲۶۳/۲۰) و ذکر فی شیوخہ لیث بن ابی سلیم)

اس سند کا راوی لیث بن ابی سلیم ضعیف و مدلس ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے لہذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ خلاصہ یہ کہ جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹنے والی روایت ضعیف ہے لہذا قرآن اور احادیثِ صحیحہ کے مقابلے میں اس سے استدلال کرنا غلط ہے۔ (۱۵-۳-۲۰۰۲)

کیا شہید ستر (۷۰) رشتہ داروں کی سفارش کرے گا؟

سوال: محترم حافظ صاحب آپ کا رسالہ الحدیث ایک شاہکار رسالہ ہے جس کا ہر مضمون علم و تحقیق پر مبنی ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دینی اور دنیاوی مشکلات کو دور فرمائے اور اللہ آپ کو اور آپ کے قلمی معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

محترم حافظ صاحب! توضیح الاحکام میں میرے اس سوال کو جگہ دی جائے جو ایک حدیث کی تحقیق کے بارے میں ہے۔ سنن ابی داؤد کتاب الجہاد (حدیث نمبر ۲۵۲۲ طبع بیروت لبنان) ترجمہ: ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُشَفَّعُ الشَّهِيدُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ)) شہید اپنے گھر والوں (رشتہ داروں) میں سے ستر کی شفاعت (سفارش) فرمائے گا۔

کیا یہ حدیث سنداً صحیح ہے، وضاحت فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی دولت نمبر ۲۲/نومبر ۲۰۰۷ء) الجواب: سنن ابی داؤد میں یہ روایت درج ذیل سند سے مذکور ہے:

”حدثنا أحمد بن صالح: حدثنا يحيى بن حسان: حدثنا الوليد بن رباح الزماري: حدثني عمي نمران بن عتبة الزماري قال: دخلنا على أم الدرداء ونحن أيتام“ اسے ابن حبان (الاحسان: ۴۶۴۱ یا ۴۶۶۰، الموارد: ۱۶۱۲) بیہقی (السنن الکبریٰ ۱۶۴/۹) اور ابن عساکر (تاریخ دمشق ۶۵/۱۶۸) نے یحییٰ بن حسان (التنسی ابوزکریا البصری) سے روایت کیا ہے۔

یحییٰ بن حسان ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۷۵۲۹)

ولید بن رباح اصل میں رباح بن الولید بن یزید بن نمران الزماری ہیں۔ رباح بن الولید صدوق ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۱۸۷۶)

نمران بن عتبہ سے صرف ولید بن رباح یا رباح بن الولید نے روایت بیان کی ہے اور ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کر کے یہ دعویٰ کیا ہے: ”روی عنه حريز بن عثمان“

اس سے حریر بن عثمان نے روایت کی ہے۔ (۵۴۴/۷)
نہ تو نمران بن عتبہ سے حریر بن عثمان کی روایت کہیں معلوم ہے اور نہ ابو داؤد کی طرف
منسوب یہ قول ثابت ہے کہ ”شیوخ حریر کلہم ثقات“ حریر کے تمام اساتذہ ثقہ ہیں۔
یہ قول لسان المیزان (۳۶۰/۲، ۳۶۱، دوسرے نسخہ ۶۸۰/۲) میں بحوالہ آجری منقول ہے۔
ابو عبیدہ آجری مجہول الحال غیر موثق ہے۔

نمران کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ”لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ؟“ پتا نہیں وہ کون ہے؟
(میزان الاعتدال ۲۷۳/۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: ”مقبول“، یعنی مجہول الحال ہے۔ (تقریب التہذیب: ۷۱۸۸)
مختصر یہ کہ یہ روایت نمران بن عتبہ کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۵/ دسمبر ۲۰۰۷ء)

پیشاب کے قطروں کی بیماری اور وضو

سوال: مجھے پیشاب کے قطروں کا نقص ہے (یعنی مجھے مسلسل پیشاب کے قطرے آتے
رہتے ہیں) نماز میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ کیا مجھے بار بار وضو کرنا پڑے گا یا صرف ایک
ہی وضو سے نمازیں پڑھتا رہوں اور پھر کپڑے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ممکن ہے بعض
اوقات قطرہ کپڑے (شلوار یا زار) کو بھی لگ جاتا ہو۔ نماز کے علاوہ بھی قطرے آتے
رہتے ہیں لہذا ان کپڑوں کا کیا حکم ہے؟ وضاحت سے لکھیں۔ (ظفر اقبال، شکر گڑھ)
الجواب: اگر پیشاب کے قطرے مسلسل آنے کی بیماری ہے تو مستحاضہ والی حدیث کی رو
سے اسے ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا پڑے گا۔ بطور احتیاط اسے کپڑے کا وہ حصہ بھی دھونا
چاہئے جہاں قطرہ گرنے کا احتمال ہو۔ اگر کبھی کبھار قطرہ آتا ہو تو اسے اس قطرہ کے بعد
دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔

[شہادت، اگست ۲۰۰۰ء، طبع جدید ۱۱/ فروری ۲۰۰۸ء]

حافظ زبیر علی زئی

عیسیٰ بن جاریہ الانصاری رحمہ اللہ

تابعین کرام میں سے عیسیٰ بن جاریہ الانصاری المدنی رحمہ اللہ کے مختصر و جامع حالات درج ذیل ہیں:

اساتذہ: سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ، سیدنا جریر بن عبد اللہ الجلی رضی اللہ عنہ، سالم بن عبد اللہ بن عمر رحمہ اللہ، سعید بن المسیب رحمہ اللہ، سیدنا شریک صحابی رضی اللہ عنہ اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رحمہ اللہ۔

تلامذہ: ابو صخر حمید بن زیاد المدنی، زید بن ابی ائیسہ، سعید بن محمد الانصاری، عنبسہ بن سعید الرازی اور یعقوب بن عبد اللہ الاشعری القمی رحمہم اللہ۔
اسماء الرجال کی نظر میں: محدثین کرام کا عیسیٰ بن جاریہ کی جرح و تعدیل کے بارے میں اختلاف ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا: ”مختلف فیہ“ (اکشاف ۳۱۴۲ ت ۴۴۳۷)
اب اس جرح و تعدیل کا جائزہ پیش خدمت ہے:

جرح: جارجین اور ان کی جرح کا باحوالہ ذکر درج ذیل ہے:
۱۔ یحییٰ بن معین نے فرمایا:

”روی عنہ یعقوب القمی؛ لا نعلم أحداً روی عنہ غیرہ۔ و حدیثہ
لیس بذاك“ اس سے یعقوب القمی نے روایت بیان کی ہے، ہم نہیں جانتے کہ
کسی دوسرے نے اس سے روایت بیان کی ہے اور اس کی حدیث قوی نہیں ہے۔

(تاریخ ابن معین، روایہ عباس الدوری: ۴۸۱۰)

اور کہا: ”عندہ أحادیث مناکیر، یحدّث عنہ یعقوب القمی و عنبسہ
قاضی الری“ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں، اس سے یعقوب القمی اور رے

کے قاضی عنبہ روایت بیان کرتے ہیں۔ (روایۃ الدوری: ۴۸۲۵)
عیسیٰ بن جاریہ کا شاگرد ایک ہے یا دو ہیں؟ اس بیان میں یہاں تعارض ہے۔
۲۔ ابن عدی نے کہا: ”وکلھا غیر محفوظہ“ اور (عیسیٰ بن جاریہ کی) تمام حدیثیں
(بشمول آٹھ رکعات تراویح والی حدیث) غیر محفوظ (شاذ) ہیں۔ (الکامل ۱۸۸۹/۵، دوسرا نسخہ ۲۳۸/۶)
حدیث شاذ کے بالمقابل حدیث کو محفوظ کہا جاتا ہے لہذا غیر محفوظ کا مطلب شاذ ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاذ اس روایت کو کہتے ہیں جو ثقہ راوی ثقہ لوگوں کے
خلاف بیان کرے۔

(آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۱۷۹، وسندہ صحیح، معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۱۹ ح ۲۹۰ وسندہ حسن،
معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۸۱/۱، ۸۲ وسندہ حسن، مقدمۃ ابن الصلاح مع شرح العراقي ص ۱۰۱)
۳۔ نسائی نے فرمایا:

”یروی عنہ یعقوب القمی منکر“ اس سے یعقوب القمی روایت کرتا ہے،
منکر ہے۔ (کتاب الضعفاء: ۴۲۳)

امام نسائی سے صحیح سند کے ساتھ منکر الحدیث یا متروک کی جرح ثابت نہیں ہے۔
۴۔ العقلمی: انھوں نے عیسیٰ بن جاریہ کو اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

(۳۸۳/۳، دوسرا نسخہ ۱۰۸۳/۳)

۵۔ ابن الجوزی: انھوں نے عیسیٰ بن جاریہ کو اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

(۲۳۸/۲ ت ۲۶۳۷)

☆ ابوداؤد: کہا جاتا ہے کہ ابو عبیدہ الآجری (?) نے ابوداؤد سے نقل کیا ہے:

”منکر الحدیث“ (دیکھئے تہذیب الکمال للرمزی نسخہ جدیدہ ج ۵ ص ۵۴۲ ت ۵۲۰۸)

یہ جرح دو وجہ سے ثابت نہیں ہے: (۱) آجری تک صحیح سندنا معلوم ہے۔ (۲) آجری مذکور

کا بذات خود ثقہ و صدوق ہونا ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

☆ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ”فیہ لین“ اس میں کمزوری ہے۔

(تقریب التہذیب: ۵۲۸۸)

دوسری طرف عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک منفرد روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”رجالہ ثقات“ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (الاصابہ: ۱۵۲/۲ تا ۱۵۲/۳) (۳۹۰۹)
حافظ ابن حجر نے مزید کہا:

”کما أخرجه أبو يعلى بإسناد حسن من رواية عيسى بن جارية وهو بالجيم عن جابر قال: كان أبي بن كعب يصلي....“

(فتح الباری ۲/۱۹۸ ج ۲: ۷۰۲)

لہذا حافظ ابن حجر کی جرح اُن کی تعدیل سے متعارض ہے۔ اگر ایک ہی عالم کی جرح و تعدیل باہم متعارض ہوں اور تطبیق و نسخ نہ ہو سکے تو اس کی جرح و تعدیل دونوں ساقط ہو جاتی ہیں۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۵۵۲/۲ تا ۵۵۲/۳) عبد الرحمن بن ثابت بن الصامت خلاصۃ الجرح: کل پانچ محدثین سے عیسیٰ بن جاریہ پر جرح ثابت ہے۔ تعدیل: اب معدلین اور ان کی تعدیل کا باحوالہ ثبوت درج ذیل ہے:
۱۔ ابو زرعة الرازی نے فرمایا: ”لا بأس به“ ان کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔ (الجرح والتعديل ۶/۲۷۳ و سندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ”إذا قلت لك: ليس به بأس فهو ثقة“
جب میں تمہارے سامنے کہوں کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں تو وہ ثقہ ہے۔

(الکفایہ للخطیب ص ۲۲ و سندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ ”لا بأس به“ کلمات توثیق میں سے ہے۔ اسی لئے حافظ نور الدین الہیثمی نے لکھا ہے: ”ووثقه أبو زرعة“ اور ابو زرعة نے اسے ثقہ کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۲/۷۲ تا ۷۳)
۲۔ ابن حبان: ذکرہ فی کتاب الثقات (۲۱۴/۵) وروی لہ فی صحیحہ (۲۴۰/۱، ۲۴۰/۲، ۲۴۰/۳) (۲۴۱/۵)

۳۔ ابن خزیمہ: ”روی لہ فی صحیحہ ولم یتکلم فیہ“ (صحیح ابن خزیمہ ۲/۱۳۸ ج ۲: ۱۰۷)

امام ابن خزیمہ نیشاپوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) اپنی کتاب صحیح ابن خزیمہ میں جس راوی سے روایت بیان کریں اور جرح نہ کریں تو وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ و صدوق ہوتا ہے اور وہ روایت بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ نیز دیکھئے البدیع المیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعة فی الشرح الکبیر لابن الملقن (۱/۵۵۴، ۶۱۹)

امام ابن خزیمہ نے ایک حدیث ((هو الطهور ماؤه ، الحلال میتته)) بیان کی لیکن اس کے ساتھ ”سندہ صحیح“ نہیں فرمایا۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۱/۵۹۱ ح ۱۱۱) اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر اپنی کتاب بلوغ المرام کے شروع میں فرماتے ہیں:

”و صححه ابن خزيمة“ اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (ح ۱)

امام ابن خزیمہ نے سیدنا ابوالفتح محمد بن النعمان سے ایک حدیث بیان کی لیکن اسے صراحۃً صحیح نہیں کہا۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۱/۴۳۱ ح ۲۸۳) اس حدیث کے بارے میں نبوی تقلیدی لکھتے ہیں: ”و صححه ابن خزيمة“ اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (آثار السنن حدیث نمبر: ۴۸) معلوم ہوا کہ ابن خزیمہ کا اپنی صحیح میں مجرد روایت بیان کر دینا (بشرطیکہ وہ جرح نہ کریں) اس روایت کی ان کے نزدیک تصحیح ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں: ”صح ابن خزيمة حديثه ومقتضاه أن يكون عنده من (الثقات)“ ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے۔ (تعیل المنفعہ ص ۲۴۸ ت ۶۱۸، عبد الرحمن بن خالد بن جبل العدواني) نیز دیکھئے الاصابہ (۴۰۳/۱ ت ۲۱۵۲)

امام ابن خزیمہ نے اپنی کتاب کا نام درج ذیل رکھا ہے:

”مختصر المختصر من المسند الصحيح عن النبي ﷺ بنقل

العدل عن العدل موصولاً إليه ﷺ من غير قطع في أثناء الإسناد

ولا جرح في ناقلتي الأخبار التي نذكرها بمشيئة الله تعالى“

(صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۳ قبل ح ۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ کے نزدیک عیسیٰ بن جاریہ عادل و غیر مجروح (ثقة و صدوق) ہیں۔ والحمد للہ
تنبیہ بلغ: امام ابن خزیمہ کے نزدیک کسی راوی کا ثقة و صدوق ہونا یا کسی حدیث کا صحیح ہونا صرف اسی حالت میں قابل قبول ہے جب جمہور محدثین کے خلاف نہ ہو لہذا بعض الناس کا جمہور کے خلاف صحیح ابن خزیمہ کی بعض روایتوں یا بعض راویوں پر جرح کرنا ہمیں چنداں مضرت نہیں ہے۔

۴۔ پیشی نے کہا: ”ورجال أبي يعلى ثقات“ اور ابو یعلیٰ کے راوی ثقة ہیں۔

(مجمع الزوائد ۲/۱۸۵، باب الانصاف والإمام مخطوب)

مسند ابی یعلیٰ (۳/۳۳۵ ح ۱۷۹۹) والی اس روایت میں عیسیٰ بن جاریہ کا نام صاف طور پر موجود ہے لہذا وہ پیشی کے نزدیک ثقة ہیں۔

۵۔ ذہبی: انھوں نے عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

”إسناده وسط“ اس کی سند درمیانی ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۱۱)

۶۔ منذری: انھوں نے عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں ”بیاسناد

جید“ اچھی سند کے ساتھ فرمایا ہے۔ (الترغیب والترہیب ۱/۵۰۷ ح ۱۰۶۹)

۷۔ بوسیری: انھوں نے عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

”هذا إسناده حسن، يعقوب مختلف فيه والباقي ثقات“ (زوائد ابن ماجہ: ۲۲۴۱)

معلوم ہوا کہ بوسیری کے نزدیک عیسیٰ بن جاریہ ثقة ہیں۔

۸۔ ابو یعلیٰ الخلیلی نے کہا: ”وروی عنه العلماء، محله الصدق“ ان سے علماء نے

روایت کی اور وہ سچائی کے مقام پر (یعنی سچے) ہیں۔ (الارشاد ۲/۸۶ ت ۶۷۵)

تنبیہ: الارشاد کے مطبوعہ نسخے میں کچھ گڑبڑ بھی ہے۔ کسی دوسرے راوی کے بارے میں

لکھے ہوئے الفاظ اس تذکرے میں بھی آگئے ہیں جن کی محشی نے صراحت کر دی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کے نزدیک عیسیٰ بن جاریہ ثقة و صدوق ہیں

لہذا حسن الحدیث ہیں۔ پانچ کے مقابلے میں سات یا آٹھ جمہور ہی ہوتے ہیں۔
انور شاہ کاشمیری نے عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں کہا: ”وضعفه أكثر المحدثین“
اور اسے اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ (العرف الثذی ج ۱ ص ۳۲ تحت ح ۵۸۳)
یہ قول درج بالا تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔
☆ امام بخاری نے عیسیٰ بن جاریہ کا تاریخ الکبیر (۳۸۵/۶) میں ذکر کیا اور اس پر کوئی
طعن نہیں کیا۔

ظفر احمد تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں:

”و کذا کل من ذکرہ البخاری فی تواریخہ ولم یطعن فیہ فهو ثقة ...“

اور اسی طرح بخاری نے اپنی تاریخوں میں جس کسی کو بھی ذکر کیا ہے اور اس پر طعن

نہیں کیا تو وہ ثقہ ہے۔ (توابع فی علوم الحدیث ص ۲۲۳ و اعلاء السنن ۱۹/۲۲۳)

☆ حافظ ابن ابی حاتم الرازی نے عیسیٰ بن جاریہ کو اپنی کتاب الجرح والتعديل (۲۷۳/۶)
میں ذکر کیا اور ابو حاتم الرازی سے ان پر کوئی جرح نقل نہیں کی۔ ظفر احمد تھانوی صاحب نے
ایک اصول بنایا ہے کہ ابو زرہ یا ابو حاتم کا جرح سے سکوت کرنا راوی کی توثیق ہوتی ہے۔
دیکھئے توابع فی علوم الحدیث (ص ۲۲۸) اعلاء السنن (۱۹/۴۰۳)
یہ دونوں اقوال بطور الزام پیش کئے گئے ہیں۔

☆ نیوی تقلیدی نے عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک روایت ذکر کر کے کہا:

”وإسناده صحيح“ (آثار السنن: ۹۶۱، دوسرا نسخہ: ۹۶۰، مسند ابی یعلیٰ ۳/۳۳۵ ح ۱۷۹۹)

خلاصۃ التعديل: عیسیٰ بن جاریہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں لہذا
حسن الحدیث ہیں۔ رحمہ اللہ

شعبہ بازیاں: بعض تقلیدی حضرات طرح طرح کی شعبہ بازیوں کے ذریعے سے
جمہور محدثین کے برعکس ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان اور عبد الرحمن بن اسحاق الکوفی وغیرہما کا
دفاع اور عیسیٰ بن جاریہ اور محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہما پر جرح میں مصروف رہتے ہیں

حالانکہ جمہور محدثین کے مقابلے میں بعض محدثین کی جرح و تعدیل مرجوح و مردود ہوتی ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی نے اعلان کر رکھا ہے کہ ”ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور آئمہ جرح و تعدیل اور اکثر آئمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ مشہور ہے کہ ع۔ زبان خلق کو نقارۃ خدا سمجھو۔“ (حسن الکلام طبع دوم ج ۱ ص ۴۰)

حالانکہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان، عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی، یزید بن ابی زیاد، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، محمد بن اسحاق بن یسار، عبد الحمید بن جعفر، مکحول اور عیسیٰ بن جاریہ وغیرہم کے بارے میں ان لوگوں نے جمہور کا دامن چھوڑ کر اقلیت کے جھنڈے تلے پناہ لے رکھی ہے۔ لینے دینے کے پیمانے ایک جیسے ہونے چاہئیں ورنہ پھر ایک دن عدالت انصاف میں جواب دینا ہی پڑے گا۔

ایک شبہ: بعض تقلیدی حضرات جب دیکھتے ہیں کہ فریق مخالف کی حدیث میں جو راوی ہے اسے ابوزرہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، ذہبی اور پیشی وغیرہم ثقہ و صدوق سمجھتے ہیں تو وہ ان آئمہ کے بعض دیگر اقوال و تحقیقات پیش کر کے یہ راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں کہ (۱) لا بأس بہ... کچھ مفید نہیں ہے۔ (۲) ابن حبان... غیر معتبر ہے۔ (۳) ابن خزیمہ نے حدیث ابن جاریہ کی تصحیح نہیں فرمائی (۴) علامہ پیشی کی تصحیح و تحسین بھی غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں... وغیرہ، جیسا کہ حافظ ظہور احمد حسینی دیوبندی تقلیدی نے اپنی کتاب ”رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ“ میں لکھ رکھا ہے۔ (ص ۲۲۹ تا ۲۱۷)

عرض ہے کہ ہمارا طرز عمل اور منہج واضح ہے، جس کا ہم بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ تعارض و اختلاف کی صورت میں جمہور محدثین کو ہی ترجیح ہوگی اور اس پر ہمارا ہمیشہ عمل رہا ہے۔ کوئی شخص اس منہج کے خلاف ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتا۔ باقی جو کچھ ہے وہ آل تقلید کی شعبہ بازیوں میں اور بس!

آخری بات: عیسیٰ بن جاریہ الانصاری نے سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے آٹھ

رکعتیں اور وتر پڑھے.... الخ

(صحیح ابن خزیمہ ۱۳۸/۲ ح ۱۰۷۰، صحیح ابن حبان، الاحسان ۶۲/۴ ح ۲۴۰۱، ۶۴/۴ ح ۶۴۰۶، ۲۴۰۶)

یہ روایت حسن لذاتہ ہے۔ اسے ابن خزیمہ وابن حبان وغیرہما نے صحیح وغیرہ قرار دیا ہے لہذا حافظ ابن عدی اکیلے کی اس پر جرح صحیح نہیں ہے۔
عسلی بن جاریہ کی اس روایت کے بارے میں عرض ہے کہ عینی حنفی اور زیلعی حنفی نے اسے ذکر کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی۔ (عمدة القاری ۷/۷۷ ح ۱۱۲۹، نصب الرایۃ ۱۵۲/۲)
ملا علی قاری (حنفی) فرماتے ہیں:

”فإنه صح عنه أنه صَلَّى بهم ثمانی رکعات والوتر“

بے شک آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے لوگوں کو آٹھ رکعات پڑھائیں

اور وتر پڑھایا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۳/۳۷۹ تحت ح ۱۳۰۲)

انور شاہ کشمیری دیوبندی تقلیدی نے کہا: صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعات پڑھائی تھیں۔ الخ دیکھئے العرف الشذی (ص ۱۶۶)

طحاوی حنفی نے کہا: کیونکہ بے شک نبی ﷺ نے بیس نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھیں۔

(حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار ۲۹۵، الحدیث: ۲۹ ص ۴۸)

یہی بات کنز الدقائق کے حاشیے میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ (ص ۳۶ حاشیہ نمبر: ۴)

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں:

”اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو بالاتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ

میں ہے“ (براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

عبد الشکور کھنوی تقلیدی لکھتے ہیں:

”اگرچہ نبی ﷺ سے آٹھ رکعت تراویح مسنون ہے اور....“ (علم الفقہ ص ۱۹۸ حاشیہ)

نیز دیکھئے میری کتاب تعداد قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۰۷ تا ۱۱۱)

وما علینا إلا البلاغ (۱۸/رمضان ۱۴۲۷ھ)

حافظ ندیم ظہیر

فضائل اعمال

کتاب الجنائز

نماز جنازہ پڑھنے اور جنازے کے ساتھ جانے کی فضیلت

(۱۱۸) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنازے میں حاضر ہوا حتیٰ کہ نماز جنازہ پڑھی تو اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) ہے اور جو دفنانے تک ساتھ رہا تو اس کے لئے دو قیراط (ثواب) ہے۔ پوچھا گیا: دو قیراط کتنے ہیں؟ فرمایا: دو عظیم پہاڑوں کی مانند۔ (صحیح بخاری: ۱۳۲۵، صحیح مسلم: ۹۴۵، دارالسلام: ۲۱۸۹)

(۱۱۹) سیدنا ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) ہے۔ پھر اگر (میت کو) دفنانے تک موجود رہا تو اس کے لئے دو قیراط ہیں (اور) قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۴۶، دارالسلام: ۲۱۹۶)

فوائد:

- ① مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں ان میں سے ایک نماز جنازہ میں شرکت کرنا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۳۴۰، صحیح مسلم: ۲۱۶۲، دارالسلام: ۵۶۵۱)
 - ② لوگوں میں اکثریت ایسی ہے جو نماز جنازہ میں صرف اس لئے شامل ہوتے ہیں کہ ورثاء میت کے ہاں نمایاں ہو سکیں حالانکہ مذکورہ اجر و ثواب کا مستحق وہی شخص ہے جو ایمان و ثواب کی نیت سے نماز جنازہ ادا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من اتبع جنازة مسلم إيماناً واحتساباً....)) جو شخص ایمان و ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے میں شریک ہو۔ (صحیح بخاری: ۴۷)
- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب پتا چلا کہ نماز جنازہ پڑھنے والے کو ایک قیراط اور دفنانے

تک موجود رہنے والے کو دو قیراط ثواب ملتا ہے تو آپ کی پریشانی کا عالم یہ تھا کہ مٹھی بھر مسجد کی کنکریاں لے کر انھیں اللہ پلٹے رہے اور جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کی مزید تصدیق و تائید ہو گئی تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کنکریوں کو زمین پر دے مارا اور فرمایا: یقیناً ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیئے ہیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۹۴۵، دارالسلام: ۲۱۹۵)

۳) قیراط کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے جس سے واضح ہو گیا کہ قیراط سے مراد عام دنیوی قیراط نہیں ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر خاص فضل و کرم ہے کہ قلیل عمل کی وجہ سے کثیر اجر و ثواب سے نوازا رہا ہے۔ سبحان اللہ!

۵) درج بالا دونوں حدیثیں نماز جنازہ کی اہمیت و فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

میت کے لئے شفاعت اور تعریف کا بیان

۱۲۰) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میت پر مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھے، جس کی تعداد ایک سو ہو اور وہ سب اس کے حق میں سفارش کریں تو اس کے بارے میں ان کی سفارش قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۹۴۷، دارالسلام: ۲۱۹۸)

۱۲۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: جو مسلمان آدمی مر جائے اور اس کے جنازے پر ایسے چالیس آدمی نماز پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اللہ اس کے بارے میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۴۸، دارالسلام: ۲۱۹۹)

۱۲۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نماز جنازہ سو مسلمان آدمی پڑھیں تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۸۸، وسندہ ضعیف، لیکن صحیح مسلم [۹۴۷] میں اس کا شاہد موجود ہے جس سے یہ بھی صحیح قرار پاتی ہے۔)

فوائد:

نماز جنازہ میں جتنی تعداد زیادہ ہوگی اتنا ہی میت کو فائدہ زیادہ ہوگا لیکن اس سلسلے میں

دواہم باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں:

① مرنے والے (میت) کے حق میں یہ شفاعت اسی وقت مفید ثابت ہوگی جب وہ صحیح العقیدہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر لحاظ سے کسی کو شریک نہ کرتا ہو کیونکہ شرک کے ارتکاب سے تمام اعمال تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبروں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اور اگر (بالفرض) یہ (انبیاء) بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے ان کے سب اکارت ہو جاتے۔ (الانعام: ۸۸)

اور مشرک کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ یقیناً جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (المائدہ: ۷۲)

⑤ یہی معاملہ نماز جنازہ پڑھنے والے کا ہے کہ وہ صحیح العقیدہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والا نہ ہو جیسا کہ حدیث (۱۲۱) سے واضح ہے۔ خلوص دل سے میت کے لئے سفارش کرے یعنی دعائیں کرے: ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ“ وغیرہ لیکن لوگوں کی اکثریت ایسی دیکھی گئی ہے جو صفوں میں خاموش کھڑے رہتے ہیں۔ انھیں سرے سے نماز جنازہ کی دعائیں ہی یاد نہیں ہوتیں، وہ شفاعت کیا کریں گے؟

لہذا معلوم ہوا کہ تعداد کے ساتھ ساتھ صحیح العقیدہ اور مخلص ہونا بھی ضروری ہے۔

۱۲۳) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنازہ گزرا تو (میت کی) اچھائی کے ساتھ تعریف کی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی اور (دوسرا) جنازہ گزرا تو (میت کو) برائی کے ساتھ یاد کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ایک جنازہ گزرا تو (لوگوں نے اس کی) اچھے کلمات کے ساتھ تعریف کی (اور) آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی اور (دوسرا) جنازہ گزرا تو اُسے بُرے کلمات کے ساتھ یاد کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے تم نے اچھا کہا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جسے تم نے برا کہا تو اس کے لئے (جہنم کی) آگ واجب ہوگئی، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔
(صحیح بخاری: ۱۳۶۷، صحیح مسلم: ۹۴۹ واللفظ لہ، دارالسلام: ۲۲۰۰)

فوائد:

مذکورہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کردار کا غازی، بات کا سچا اور معاملات میں کھرا ہو، اپنے اخلاق کو اس قدر سنوار کر رکھے کہ بیگانے بھی انگلی اٹھانے کی جرأت نہ کریں غرضیکہ ایمان و اعمال کے سانچے میں اس انداز سے ڈھلا ہو کہ مرنے کے بعد بھی لوگ اس کی اچھائیاں بیان کریں، اس کے حق میں تعریفی کلمات کہیں جو اس کی بخشش کا ذریعہ بنتے رہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان آدمی کے بارے میں چار آدمی نیک ہونے کی گواہی دے دیں، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ (عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے کہا: اور تین، آپ ﷺ نے فرمایا: اور تین، ہم نے کہا: اور دو تو آپ نے فرمایا: اور دو) (بھی) پھر ہم نے ایک کے بارے میں نہیں پوچھا۔ (صحیح بخاری: ۱۳۶۸)

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے حق میں اس کے چار قریبی ہمسائے گواہی دیں (کہ ہمارے علم کے مطابق یہ اچھا آدمی ہے) تو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) میں نے تمھاری گواہی قبول فرمائی ہے اور جو تم نہیں جانتے میں نے وہ (بھی) اسے معاف کر دیا ہے۔ (مسند احمد ۲۴۲/۳ سند حسن، صحیح ابن حبان ۳۰۲۶ والجامع ۳۷۸/۱)

معلوم ہوا کہ تعریفی کلمات بھی بخشش کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے جب ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ بجالائے جائیں اور منکرات و خرافات سے اپنا دامن بچایا جائے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ لوگوں کی خواہشات کے احترام کی بجائے کتاب و سنت پر عمل پیرا ہوا جائے کیونکہ اسی ذریعے سے دنیا و آخرت میں عزت ملتی ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

صحیح بخاری کا دفاع

(قسط: ۴)

مجرم (۳۱): ”ابوسلمہؒ کہتے ہیں کہ میں اور عائشہؓ کے بھائی عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے غسل کر کے دکھایا اور اپنے سر پر پانی بہایا ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔ (کتاب الغسل، بخاری۔ ص ۱۸۵) مظاہرہ کرنا قطعی ضروری نہ تھا، زبانی بتا دیا ہوتا یا ابوسلمہؒ اپنی بیوی کو بھیج کر صحیح غسل کا پتہ چلا سکتا تھا بعد میں اُن سے خود سیکھتا۔“ (اسلام کے مجرم ص ۴۵، ۴۶)

الجواب: اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں راقم الحروف نے تفصیلی بحث و تحقیق ماہنامہ الحدیث حضور ۲۰ میں شائع کی تھی۔ وہی سوال و جواب بعض اصلاح کے ساتھ پیش خدمت ہے:

سوال: صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دو مردوں کے سامنے غسل کیا تھا۔ شیعہ اور منکرین حدیث یہ حدیث بیان کر کے صحیح بخاری پر اعتراض کرتے ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ ہمیں اس حدیث کا مفہوم سمجھائیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔ (حافظ اسد علی، خیر باڑہ، غازی ضلع ہری پور)

جواب: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حدثنا عبد الله بن محمد قال: حدثني شعبة قال: حدثني أبو بكر بن حفص قال: سمعت أبا سلمة يقول: دخلت أنا وأخو عائشة علي عائشة فسألها أخوها عن غسل النبي ﷺ؟ فدعت بإناء نحو من صاع فاغتسلت وأفاضت علي رأسها وبيننا وبينها حجاب“ (صحیح بخاری: کتاب الغسل باب الغسل بالصاع ونحوه، ح ۲۵۱)

ابوسلمہ (بن عبد الرحمن) فرماتے ہیں کہ: میں اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا (رضاعی) بھائی (ہم دونوں) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس گئے، آپ کے (رضاعی) بھائی نے نبی ﷺ کے (سر مبارک کے) غسل کے بارے میں پوچھا (کہ یہ کیسا تھا؟) تو انھوں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے صاع (ڈھائی کلو) کے برابر (پانی کا) ایک برتن منگوایا پھر انھوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا، ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔

اس حدیث کو اس مفہوم کے ساتھ امام مسلم (۳۲۰/۳۲، دارالسلام: ۷۲۸) نسائی (الصغریٰ ۱۲۷/۱ ح ۲۲۸ والکبریٰ ۱۱۶/۱ ح ۲۳۲) احمد بن حنبل (المسند ۱/۶، ۷۲، ۷۳ ح ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱ ح ۱۳۳/۶، ۲۴۰ ح ۲۵۶) ابونعیم الاصبہانی (المستخرج علی صحیح مسلم ۱/۳۷۰ ح ۷۲۰) ابوعوانہ (المسند المستخرج ۱/۲۹۵، ۲۹۶) اور بیہقی (السنن الکبریٰ ۱/۱۹۵) نے شعبہ (بن الحجاج) کی سند سے مختصراً و مطولاً بیان کیا ہے۔ اس روایت کے مفہوم میں درج ذیل باتیں اہم ہیں:

۱: صحابہ کرام کے دور میں اس بات پر شدید اختلاف ہو گیا تھا کہ غسل جنابت کرتے وقت عورت اپنے سر کے بال کھولے گی یا نہیں، اور یہ کہ غسل کے لئے کتنا پانی کافی ہے، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ غسل کرتے وقت اپنے سر کے بال کھول کر غسل کریں۔ اس پر تعجب کرتے ہوئے امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”یا عجبا لابن عمرو هذا يأمر النساء إذا اغتسلن أن ينقضن رؤوسهن، أفلا يأمرهن أن يحلقن رؤوسهن؟“ ۱؟ ابن عمرو پر تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ غسل کرتے وقت اپنے سر کے بال کھول دیں کیا وہ انہیں یہ حکم نہیں دے دیتے کہ وہ اپنے سر کے بال منڈوا ہی دیں؟

(صحیح مسلم: ۳۳۱/۵۹، دارالسلام: ۷۴۷)

۲: عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر رد کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عملاً سر پر پانی ڈال کر سمجھایا کہ بال کھولنا ضروری نہیں ہے۔

۳: محدث ابوعوانہ الاسفرائینی (متوفی ۳۱۶ھ) نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے:

”باب صفة الأواني التي كان يغتسل منها رسول الله ﷺ، و صفة غسل

رأسه من الجنابة ، دون سائر جسده“

رسول اللہ ﷺ کے غسل والے برتنوں کا بیان، اور غسل جنابت میں، باقی سارے جسم کو چھوڑ کر (صرف) سر دھونے کی صفت کا بیان۔ (صحیح ابی عوانہ ۲۹۴/۱)

محدث کبیر کی اس تبویب سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف سر دھو کر دکھایا تھا، باقی جسم دھو کر نہیں دکھایا تھا۔

۴: صحیح مسلم والی روایت میں آیا ہے کہ ”فأفرغت علي رأسها ثلاثاً“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر تین دفعہ (بال کھولے بغیر ہی) پانی بہایا تھا۔ (۳۲۰/۴۲)

باقی جسم کے غسل کا ذکر اس روایت میں قطعاً نہیں ہے۔

۵: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شاگردوں کے درمیان (موٹا) پردہ (حجاب، ستر) تھا۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ غسل کر رہے تھے ”فاطمة ابنتہ تستره بثوب“ اور آپ کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک کپڑے کے ذریعے سے آپ کا پردہ کر رکھا تھا۔

(موطأ امام مالک ۱۵۲/۱۵۲ ح ۳۵۶ تحقیقی، صحیح البخاری: ۳۵۷ صحیح مسلم: ۲۳۶/۸۲ بعد ح ۷۹)

یہ ظاہر ہے کہ پردے کے پیچھے سے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ پھر پردے کا مقصد کیا ہے؟

۶: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یزید البصری تھے (ارشاد الساری للقسطلانی ج ۱ ص ۳۱۷) یا کثیر بن عبید الکوفی تھے (فتح الباری ۳۶۵/۱) ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے (فتح الباری ۳۶۵/۱) معلوم ہوا کہ یہ دونوں شاگرد، غیر محرم نہیں بلکہ محرم تھے، دین اسلام میں محرم سے سر، چہرے اور ہاتھوں کا کوئی پردہ نہیں ہے۔

۷: عبدالرحمن دیوبندی لکھتے ہیں: ”حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہونے والے یہ دونوں محرم تھے، حضرت عائشہ نے ان کے سامنے پردہ ڈال کر غسل کیا اور دونوں نے

حضرت عائشہؓ کا سر اور اوپر کا بدن دیکھا جو محرم کو دیکھنا درست ہے لیکن جسم کے باقی اعضاء جن کا مستور رکھنا محرم سے بھی ضروری ہے وہ پردہ میں تھے“

(فضل الباری ج ۲ ص ۴۲۸، از افادات شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

۸: غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: ”اس حدیث پر منکرین حدیث اعتراض کرتے ہیں کہ ان احادیث کو ماننے سے لازم آتا ہے کہ اجنبی مرد حضرت عائشہؓ سے سوال کرتے تھے اور وہ ان کو غسل کر کے دکھا دیتی تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مرد اجنبی نہ تھے۔ ان میں سے ابو سلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھتیجے تھے اور دوسرے عبداللہ بن یزید آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ غرض دونوں محرم تھے، آپ نے حجاب کی اوٹ میں غسل کیا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ازواج مطہرات کپڑوں کے ساتھ غسل کرتی تھیں اور اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کو شرح صدر ہو جائے کہ اتنی مقدار پانی غسل کے لئے کافی ہوتا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں نے سر اور جسم کے اس بالائی حصہ میں غسل کا عمل دیکھا جس کو دیکھنا محرم کے لئے جائز ہے اور اگر انہوں نے اس عمل کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پانی منگنے اور ان کی موجودگی میں غسل کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ستر کا انتظام، سر اور چہرے کے نچلے حصے کے لئے کیا تھا جس کو دیکھنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے“ (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۱۹-۱۰۲۰)

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں صرف یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ غسل میں، سر کے بال کھولے بغیر ہی سر پر تین دفعہ پانی ڈالنا چاہئے، اس حدیث کا باقی جسم کے غسل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ماہنامہ الحديث: ۳۰ تا ۳۳، جولائی ۲۰۰۴ء)

یہ صحیح ہے کہ مظاہرہ کرنا قطعی ضروری نہ تھا لیکن اگر اپنے بھائی بھانجے کو عملاً سر پر پانی ڈال کر مسئلہ سمجھا دیا تو اس میں قباحت بھی نہیں ہے۔

محرم (۳۲): ”عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاط کرنا

چاہتے تو حیض کے غلبہ کے دوران ازار (لنگی تہد) باندھنے کا حکم دیتے اور پھر اختلاط فرماتے۔ (کتاب
الحيض بخاری۔ صفحہ ۱۹۸) قرآن اس سے منع فرماتا ہے۔“ (اسلام کے مجرم ص ۴۶)
الجواب: صحیح بخاری (۳۰۲) کی اس حدیث میں مباشرت (اختلاط) سے مراد یہ ہے کہ
شوہر اور بیوی دونوں کپڑے پہنے ہوئے، ازار باندھے ہوئے اکٹھے لیٹ جائیں تو جائز ہے
بشرطیکہ جماع نہ کریں کیونکہ حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی
ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اپنی شہوت پر کنٹرول کرنے والے تھے
یعنی آپ حالت حیض میں مباشرت تو فرماتے لیکن جماع ہرگز نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید
میں جس مباشرت اور قربت سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد جماع ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن
جریر الطبری (۲۲۵/۲) لہذا قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ واللہ
مجرم (۳۳): ”عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں ہمارے بوسے لیا
کرتے تھے اور مباشرت کیا کرتے تھے۔ (بخاری، کتاب سوم صفحہ ۶۹۱) کیا یہ سچ ہو سکتا ہے؟ کیا واقعی امام
بخاری نے یہ حدیث لکھی ہوگی؟“ (اسلام کے مجرم ص ۴۷)
الجواب: صحیح بخاری (کتاب الصوم: ۱۹۲، ۱۹۲۸) کی یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اسے
امام بیہقی اور امام بغوی دونوں نے امام بخاری سے نقل کر رکھا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۳۰/۴، شرح النبی للبغوی ۶/۶، ح ۱۷۴۹)

امام بخاری کے علاوہ اس حدیث کو معمولی اختلاف کے ساتھ امام مالک (الموطأ ۲۹۲/۱
ح ۶۵۲) امام شافعی (کتاب الام ۹۸/۲) اور امام احمد بن حنبل (المسند ۶/۶، ح ۲۴۱۵۴)
نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں مباشرت سے مراد اپنی بیوی کے ساتھ صرف لیٹنا اور پیار کرنا ہے
بشرطیکہ آدمی اپنی شہوت پر کنٹرول کر سکے۔ یہاں مباشرت سے مراد جماع ہرگز نہیں ہے۔
اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی عمر کا شوہر جسے اپنی شہوت پر مکمل کنٹرول حاصل ہو، اپنی
بیوی کا روزے کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بات قرآن مجید کی کسی آیت

کے خلاف نہیں ہے۔

مجرم (۳۴): ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز کرتا یعنی ہوا خارج کرتا ہوا بھاگتا ہے۔ (بخاری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۰۱) کیا یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہو سکتی ہے؟“ (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: صحیح بخاری (۶۰۸) وموطا امام مالک (۱/۶۹، ۷۰، ۱۳۹) والصحیفۃ الصحیحۃ للامام ہمام بن منبہ (۲۶) اور مسند احمد (۲/۳۱۳، ۳۱۴، ۸۱۳۹) وغیرہ کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے اور آواز کے ساتھ اپنی ہوا نکالتا ہے۔ بعض مواقع پر شیطان کا پیٹھ پھیر کر بھاگنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ دیکھئے سورۃ الانفال (۴۸)

رہا اس کی ہوا کا خارج ہونا تو اس پر تعجب کی کیا بات ہے؟ جب انسان کی ہوا خارج ہوتی ہے تو کیا شیطان کی ہوا خارج نہیں ہو سکتی؟

مجرم (۳۵): ”عمر بن میمونؓ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اس نے بندریا کے ساتھ زنا کیا تھا سب بندروں نے سنگسار کیا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا۔ ایک اور حدیث میں یہ بیان بھی ہے کہ وہ بندریا ایک ادھیر عمر بندر کے ساتھ لیٹی تھی۔ ایک جوان بندر آیا اور آنکھ مار کر اسے اپنے ساتھ لے گیا پھر انہوں نے زنا کیا۔ (بخاری جلد دوم۔ صفحہ ۲۰۱) جانور پر شرعی قانون؟“ (اسلام کے مجرم ص ۴۷، ۴۸)

الجواب: یہ حدیث نہیں بلکہ عمر بن میمون تابعی رحمہ اللہ کا بیان کردہ واقعہ ہے۔ اس واقعے میں بندروں سے مراد جن ہیں۔ دیکھئے ص ۳۷-۳۹

مجرم (۳۶): ”آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری جلد دوم۔ صفحہ ۱۳۴)“ (اسلام کے مجرم ص ۴۸)

الجواب: صحیح بخاری (۳۲۷۳) صحیح مسلم (۸۲۸، ترقیم دار السلام: ۱۹۲۵) والی یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند احمد (۲/۱۳۲ ح ۴۶۱۲ وسندہ صحیح) صحیح ابن خزیمہ (۱۲۷۳) صحیح ابن حبان (۱۵۴۳)

صحیح ابی عوانہ (۳۸۳، ۳۸۲/۱) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۵۵۱)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے:

- ۱: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۷۴ وسندہ صحیح)
- ۲: عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۸۳۲، دارالسلام: ۱۹۳۰)
- ۳: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۵۷۵ وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۱۲۵۲ وسندہ حسن)
- ۴: عائشہ رضی اللہ عنہا (السنن الصغریٰ للنسائی ۲۷۹/۱ ح ۵۷۱ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت اپنے دونوں سینک رکھتا ہے۔ (موطا امام مالک ۲۲۱/۱ ح ۵۱۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور سورج کا شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع وغروب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت وہاں شیطان اپنے سینگوں سمیت کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف سجدہ کریں۔

مجرم (۳۷): ”کیا تم کسی جانور کو دیکھتے ہو کہ وہ ناقص الاعضاء یعنی بغیر کان آنکھ یا ناک یا بغیر پنچے کے پیدا ہوا ہے (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا) (بخاری شریف جلد اول - صفحہ ۵۲۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف حقیقت بات کیسے فرما سکتے ہیں؟ جانور ناقص الاعضاء آئے دن پیدا ہوتے ہیں۔“

(اسلام کے مجرم ص ۵۴، ۵۵)

الجواب: صحیح بخاری (۱۳۵۹، ۱۳۵۸) و صحیح مسلم (۲۶۵۸) کی اس حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ جنتا ہے کیا تم ان میں کوئی کان کٹا بچہ بھی دیکھتے ہو؟ پھر (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ الآیۃ

یہ حدیث اس مفہوم اور کئی سندوں کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم سے پہلے الصحیفۃ الصحیحۃ للامام ہمام بن منبہ (۶۶) مصنف عبدالرزاق (۱۱۹/۱ ح ۲۰۰۸) مسند احمد (۲/۵۷۲ ح ۷۷۱۲)

موطاً امام مالک (۲۴۱/۱ ح ۵۷۲) اور مسند الحمیدی (تحقیق: ۱۱۱۹ و سندہ صحیح) وغیرہ میں موجود ہے۔

اس حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ عام طور پر جانور صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں لیکن انسان اُن کے کان کاٹ کر کن کٹا بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح عام طور پر انسان دین اسلام پر پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کے والدین انہیں کافر و مشرک بنا دیتے ہیں۔ ”یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا“ کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات حقیقت پر مبنی ہے اور یہی حق ہے اگرچہ منکرین حدیث اس کا کتنا بھی انکار کرتے پھریں۔

مجرم (۳۸): ”فرشتہ ماں کے پیٹ میں ہی تقدیر لکھ دیتا ہے یعنی زندگی، موت اور رزق۔ اعمال بد ہونا اور اچھا ہونا۔ (بخاری کتاب الحیض۔ صفحہ ۲۰) اگر ایسا ہوتا تو قرآن کا ہدایت نامہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ (اسلام کے مجرم ص ۵۵)

الجواب: صحیح بخاری (۳۱۸) و صحیح مسلم (۲۶۴۶، دار السلام: ۶۷۳۰) وغیرہما کی اس صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ رب تعالیٰ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے رزق، موت، خوش قسمت ہونے، یا بد بخت ہونے کو لکھ دو۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق تقدیر سے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے لہذا وہ یقیناً سب جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور پرسوں کیا ہوگا۔ وہ اپنے علم غیب سے بندے کی تقدیر لکھوا دیتا ہے تو اس پر اعتراض کی کیا بات ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا﴾ کہہ دو ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ (التوبہ: ۵۱)

نیز دیکھئے سورۃ الحدید (۲۲)

شرح حدیث جبریل کی تشریح میں جھٹے فائدے کے تحت شیخ عبدالحسن العباد المدنی فرماتے ہیں:

تقدیر پر ایمان: ۱

ششم: ان دونوں تابعین کے سوال کا عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کا انکار سنگین (اور خوفناک) بدعت ہے۔

ابن رجب کہتے ہیں کہ تقدیر پر ایمان دو طرح کا ہے:
درجہ اول: اس پر ایمان کہ بندے جو خیر، شر، اطاعت اور نافرمانی کے اعمال کریں گے،
اُن کی پیدائش اور وقوع سے پہلے یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے (وہ سب جانتا ہے) کہ ان
میں کون جنتی اور کون دوزخی ہے۔ اللہ نے ان کی تخلیق و تکوین سے پہلے ان کے اعمال کا بدلہ
ثواب و عذاب کی صورت میں تیار کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ نے اپنے پاس لکھ رکھا ہے اور
اسے سب معلوم ہے۔ بندے وہی اعمال کرتے ہیں جو پہلے سے اللہ کے علم اور کتاب میں لکھا
ہوا ہے۔

درجہ دوم: بندوں کے تمام افعال چاہے کفر ہو یا ایمان، اطاعت ہو یا نافرمانی، اللہ نے
پیدا کئے ہیں۔ اور وہ ان سے (ایمان و اطاعت) چاہتا ہے۔

اہل سنت و الجماعت اس (عقیدے) کا اقرار کرتے ہیں اور قدریہ (منکرین
تقدیر) اس کا انکار کرتے ہیں۔ درجہ اول کو بہت سے منکرین تقدیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔
اُن کے غالی حضرات جیسے معبد الجہنی، جس کے بارے میں ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے سوال ہوا
تھا، اور عمرو بن عبید وغیرہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ بہت سے ائمہ سلف نے کہا ہے کہ قدریہ
سے علم پر مناظرہ کرو۔ اگر وہ اس کا اقرار کر لیں تو انھیں شکست ہو جائے گی اور اگر انکار
کریں تو کفر کریں گے۔ (یعنی کافر ہو جائیں گے) ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ
کے علم قدیم کا انکار کرے جو بندوں کے افعال سے پہلے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے
بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے انھیں بد بخت اور خوش بخت میں تقسیم کر دیا ہے اور اسے اللہ نے
اپنے پاس محفوظ کتاب میں لکھ دیا ہے، تو اس شخص نے قرآن کا انکار کیا لہذا اس سے وہ کافر ہو گیا۔
اور اگر وہ اس کا اقرار کریں اور اس کا انکار کریں تو اللہ نے اپنے بندوں کے افعال
پیدا کئے اور اُن سے تکوینی تقدیری ارادہ چاہا (یعنی حق و باطل کے دونوں راستوں کا اختیار
دے کر یہ چاہا کہ وہ حق پر چلیں) تو وہ (منکرین تقدیر) لاجواب ہو جائیں گے کیونکہ
انھوں نے وہ چیز تسلیم کر لی ہے جس کا وہ انکار کر رہے تھے۔

ان لوگوں کی تکفیر میں علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ شافعی، احمد اور دوسرے ائمہ مسلمین اُس شخص کو کافر کہتے ہیں جو (اللہ کے) علم قدیم کا انکار کرتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ۱۰۳، ۱۰۴) (شرح حدیث جبریل ص ۱۵ تا ۱۷)

دوسرے مقام پر اسی فائدے کی مفصل تشریح کرتے ہوئے شیخ عبدالحسن فرماتے ہیں:

تقدیر پر ایمان: ۲

ششم: اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ تقدیر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و مقدار) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (القر: ۴۹)

اور فرمایا: ﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا﴾ کہہ دو ہمیں تو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ (التوہ: ۵۱)

اور فرمایا: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ زمین میں اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہماری کتاب میں درج ہے، اللہ کے لئے یہ (بہت) آسان ہے۔ (الحدید: ۲۲)

رہی سنت تو امام بخاری و امام مسلم نے صحیحین میں تقدیر کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے قوی مومن بہتر اور پسندیدہ ہے اور (ان) سب میں خیر ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اُس کی حرص کر، اللہ سے مدد مانگ اور (اس سلسلے میں) سستی نہ کر۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہہ کہ اگر میں اس طرح اور اس طرح کرتا۔ بلکہ یہ کہہ: اللہ کی یہی تقدیر ہے، اُس نے جو چاہا ہوا۔ کیونکہ لَوْ (اگر مگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۴)

طاؤس (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو یہ فرماتے ہوئے پایا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے اور میں نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ (دماغی) عاجزی اور ذہانت بھی تقدیر سے ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۵)

عاجزی اور ذہانت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تروتازہ کی تروتازگی، سُستی کی سُستی اور عاجزی سب تقدیر سے ہے۔ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ”اس کا معنی یہ ہے کہ عاجزی کی عاجزی اور ذہین کی ذہانت تقدیر میں لکھی ہوئی ہے“ (شرح صحیح مسلم ۲۰۵/۱۶)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کا جنت و دوزخ میں ٹھکانا لکھا ہوا ہے (یعنی جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائے گا) تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اسی پر توکل کر کے نہ بیٹھ جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: اعمال کرو، جو میسر ہیں (یعنی جنتی کے لئے جنت کے اعمال میسر کئے گئے ہیں لہذا اُسے چاہئے کہ وہ جنتیوں کے اعمال کرے) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ سے لے کر ﴿لِلْعُسْرَىٰ﴾ [سورۃ الیل: ۵، ۱۰] تک۔

(صحیح بخاری: ۴۹۴۵، صحیح مسلم: ۲۶۴۷ عن علی رضی اللہ عنہ)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ بندوں کے نیک اعمال تقدیر میں ہیں اور انہی سے خوش قسمتی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے اور بندوں کے بُرے اعمال تقدیر میں ہیں اور ان سے بدبختی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی نے اسباب بنائے ہیں۔ کوئی چیز بھی اللہ کی تقدیر، فیصلے، تخلیق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

(سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھو وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھو تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب (ما فوق الاسباب)

سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی فائدہ پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے اور اگر سارے لوگ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی نقصان پہنچ سکتا ہے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اٹھانے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن الترمذی: ۲۵۱۶ وقال: ”هذا حديث حسن صحيح“)

تقدیر پر ایمان کے چار درجے ہیں، جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے: پہلا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے بارے میں اللہ کا علم ازلی وابدی ہے۔ ہر چیز جو ہونے والی ہے، ازل سے اللہ کے علم میں ہے، اللہ کو کسی چیز کے بارے میں قطعاً جدید علم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پہلے سے ہی اُسے ہر چیز کا پورا علم ہے۔

دوسرا درجہ: ہر چیز جو واقع ہونے والی ہے، اس کے بارے میں زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے، سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں، زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۳ من حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)

تیسرا درجہ: اللہ کی مشیت اور اس کا ارادہ، جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اللہ کے ملک میں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا تو ہوا اور جو نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا حکم صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے: ﴿كُنْ﴾ (ہو جا) تو ہو جاتا ہے [یس: ۸۲] اور فرمایا: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ اور تم جو چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ (التوہ: ۲۹)

چوتھا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا وجود اور تخلیق اللہ کی مشیت پر ہے، اس کے ازلی علم کے مطابق اور جو اُس نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے، وہ اشیاء اور ان کے افعال اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ۶۲)
اور فرمایا: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انہیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ (الصافات: ۹۶)

تقدیر پر ایمان، اُس غیب پر ایمان ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تقدیر میں جو کچھ ہے اس کا واقع ہونا لوگوں کو دو طرح سے معلوم ہو سکتا ہے:
① کسی چیز کا واقع ہونا، جب کوئی چیز واقع ہو جاتی ہے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تقدیر میں یہی تھا، اگر یہ تقدیر میں نہ ہوتا تو واقع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا تو نہیں ہوتا۔

② مستقبل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں مثلاً دجال، یاجوج و ماجوج اور نزول عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) وغیرہ امور کے بارے میں آپ کی پیش گوئیاں، جو کہ آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوں گی۔ یہ پیش گوئیاں اس کی دلیل ہیں کہ ان امور کا واقع ہونا ضروری ہے۔ یہی اللہ کی تقدیر اور فیصلے میں لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وہ پیش گوئیاں جو آپ نے اپنے زمانے کے قریب واقع ہونے والے امور کے بارے میں فرمائی ہیں۔ انہی میں سے وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابوبکرہ (نفع بن الحارث) رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا، حسن (بن علی رضی اللہ عنہ) آپ کے پاس تھے۔ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اور ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ”میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے۔“ (صحیح بخاری: ۳۷۶۶)
رسول اللہ ﷺ نے یہ جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ (آپ کی وفات کے بہت بعد) اکتالیس ہجری (۴۱ھ) میں واقع ہوئی جب مسلمانوں میں اتفاق ہو گیا۔ اسے ”عام الجماعة“ (اتفاق کا سال) بھی کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ (سیدنا و محبوبنا) حسن (بن علی) رضی اللہ عنہ بچپن میں نہیں مریں گے اور وہ اُس وقت تک زندہ رہیں

گے جب تک صلح کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ پیش گوئی واقع نہ ہو جائے۔
یہ چیز تقدیر میں تھی جس کے وقوع سے پہلے صحابہ کرام کو اس کا علم تھا۔

ہر چیز کا خالق اور اس کی تقدیر بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ۶۲)

اور فرمایا: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾ اور اس (اللہ) نے ہر چیز پیدا کی، پس
اس نے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی یعنی مقدا ریں بنائیں۔ (الفرقان: ۲)

پس خیر و شر کی ہر چیز جو ہونے والی ہے اللہ کے فیصلے، تقدیر، مشیت اور ارادے سے
ہوتی ہے۔ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے لمبی دعا
میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ((والخیر کلہ فی یدیک والشر لیس إلیک)) ساری خیر
تیرے ہاتھوں میں ہے اور شریری طرف (لے جانے والا) نہیں ہے (صحیح مسلم: ۱۷۷۰)
اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلے اور تخلیق کے مطابق شر واقع نہیں ہوتا۔ اس
کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے بغیر کسی حکمت اور فائدے کے محض شر پیدا نہیں کیا اور
دوسرے یہ کہ مطلق شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ (دلائل عامہ کے تحت)
عموم میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ۶۲)

اور فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾

بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و اندازے) سے پیدا کیا۔ (القدر: ۴۹)

صرف اکیلے شر کے ساتھ اللہ کی طرف نسبت سے ادب سیکھنا چاہئے۔ اسی لئے جنوں
نے اللہ کی طرف خیر کی نسبت کر کے ادب کا اظہار کیا تھا۔ انھوں نے شر کو مجہول کے صیغے
سے بیان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے (جنوں کا قول نقل) فرمایا: ﴿وَإِنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ
أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ اور ہمیں پتا نہیں کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا

ان کا رب اُن کی ہدایت چاہتا ہے۔ (البقرہ: ۱۰)

تقدیر کے سابقہ چاروں درجوں میں اللہ کی مشیت اور ارادہ بھی ہے۔ مشیت اور ارادے میں فرق یہ ہے کہ کتاب و سنت میں مشیت کا ذکر تکوینی و تقدیری طور پر ہی آیا ہے۔ اور ارادے کا معنی بھی تکوینی معنی اور کبھی شرعی معنی پر آتا ہے۔ تکوینی و تقدیری معنی کے لئے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ﴾ اور تمہیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی اگرچہ میں تمہیں نصیحت کروں اگر تمہیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ (ہود: ۳۴)

اور فرمایا: ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو تنگ (حق کو نہ ماننے والا) کر دیتا ہے۔ (الانعام: ۱۲۵)

شرعی ارادے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (البقرہ: ۱۸۵)

اور فرمایا: ﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

اللہ اس کا ارادہ نہیں کرتا کہ تمہیں حرج میں ڈال دے لیکن وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے تاکہ تم شکر کرو۔ (المائدہ: ۶)

ان دونوں ارادوں میں یہ فرق ہے کہ تکوینی ارادہ عام ہے چاہے اللہ تعالیٰ خوش ہو یا ناراض ہو۔ شرعی ارادہ صرف اسی کے بارے میں ہوتا ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہے۔ تکوینی ارادہ واقع ہو کر ہی رہتا ہے اور دینی ارادہ اس آدمی کے حق میں واقع ہوتا ہے جسے اللہ توفیق دے۔ اور جسے وہ توفیق نہ دے تو وہ شخص اس سے محروم رہتا ہے۔ کچھ اور بھی

کلمات ہیں جو تکوینی و شرعی معنوں میں آتے ہیں، انھی میں سے فیصلہ، تحریم، اذن، کلمات اور امر و غیرہ ہیں۔

ابن القیم نے اپنی کتاب ”شفاء العلیل“ کے اثنیسویں (۲۹) باب میں ان کو ذکر کیا ہے اور قرآن و سنت سے ان کے دلائل لکھے ہیں۔

ہر چیز جسے اللہ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے، اس کی تقدیر مقرر کی ہے اور اس کے وقوع کا فیصلہ کیا ہے تو اُس چیز نے ضرور بالضرور ہو کر رہنا ہے۔ نہ اس میں تغیر ہوتا ہے اور نہ تبدیلی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا ط﴾ زمین اور تمہاری جانوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہم نے کتاب میں درج کر دی ہے۔ (الحمد: ۲۲)

اور اس میں سے حدیث ہے: ”قلم اُٹھائے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔“ (دیکھئے ص ۸۵، ۸۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ط وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اُسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ (الرعد: ۳۹) اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت کریمہ شریعتوں سے متعلق ہے۔ اللہ شریعتوں میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے حتیٰ کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ کی شریعت نے سابقہ ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دلیل اس آیت میں ہے جو اس سے پہلے ہے ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی رسول بھی کوئی نشانی نہیں لاسکتا، ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے یعنی ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ (الرعد: ۳۸)

اور اس کی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہ مقدا ریں مراد ہیں جو لوح محفوظ میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض کام فرشتوں کے ذریعے سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل کے ابواب (۲، ۴، ۵، ۶) دیکھیں۔ ہر باب کے تحت انھوں نے لوح محفوظ کے علاوہ ایک ایک خاص تقدیر بیان کی ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ

”قضاء (تقدیر) کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی کے ذریعے سے اضافہ ہوتا ہے۔“ (سنن الترمذی: ۲۱۳۹، اسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی: ۱۵۴) یہ حدیث لوح محفوظ میں تغیر (وتبدیلی) کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے شر سے سلامتی مقدر میں رکھی ہے اور اس سلامتی کے لئے اسباب مقرر کئے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ اللہ نے بندے سے شر دور کر دیا۔ یہ دُوری اس فعل یعنی دعا کے سبب اس کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور یہی مقدر تھا۔ اور اسی طرح یہ مقدر میں لکھا گیا کہ انسان کی عمر لمبی ہے اور یہ بھی مقدر کر دیا گیا کہ درازی عمر (فلاں) سبب سے ہوگی اور یہ نیکی وصلہ رحمی ہے۔ پس اسباب اور وجہ اسباب سب اللہ کی قضا و قدر سے ہیں۔

آپ ﷺ کی حدیث: ”اللہ جسے پسند کرتا ہے تو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ یا اس کی عمر دراز کر دیتا ہے، پس صلہ رحمی کرو“ (صحیح البخاری: ۲۰۶۷ و صحیح مسلم: ۲۵۵۷) کا بھی یہی مطلب ہے۔ ہر انسان کا وقت لوح محفوظ میں مقرر ہے۔ نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ط﴾

اور جب کسی نفس کا وقت آجائے تو اللہ اسے مؤخر نہیں کرتا۔ (المُنْفِقُونَ: ۱۱)

اور فرمایا: ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ط إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ ہر اُمت کے لئے ایک وقت ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتا ہے اور نہ آگے ہوتا ہے۔ (یونس: ۴۹)

اور جو آدمی مرتا یا قتل ہوتا ہے تو وہ اپنی اجل کی وجہ سے مرتا یا قتل ہوتا ہے۔ معترکہ کی طرح یہ نہیں کہنا چاہئے کہ مقتول کی اجل کاٹ دی گئی اور اگر وہ قتل نہ ہوتا تو دوسری اجل تک زندہ رہتا۔ کیونکہ ہر انسان (کے مرنے) کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ اس وقت کے لئے اسباب مقرر ہیں۔ یہ بیماری سے مرے گا اور یہ ڈوبنے سے مرے گا اور یہ قتل ہوگا وغیرہ۔ (باقی آئندہ شمارے میں، ان شاء اللہ)

حافظ زبیر علی زئی

ہدیۃ المسلمین: ۱۵

فاتحہ خلف الامام

عن عبادة بن الصامت عن رسول الله ﷺ قال: ((هل تقرأون معي؟)) قالوا: نعم! قال: ((لا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لا صلوة لمن لم يقرأ بها))
سیدنا عباده بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا: کیا تم میرے ساتھ (یعنی امام کے پیچھے) قراءت کرتے ہو؟ تو انھوں (صحابہ) نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو، کیونکہ جو شخص اس (فاتحہ) کو نہیں پڑھتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

(کتاب القراءة للبیہقی: ص ۶۴، ج ۱۲، وسندہ حسن، طبع بیروت لبنان وقال البيهقي: هذا السناد صحيح رواه ثقات)
اس حدیث کو امام بیہقی کے علاوہ ضیاء مقدسی نے صحیح اور دارقطنی نے حسن کہا ہے۔
فوائد:

① اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جہری و سری نمازوں میں مقتدی کا وظیفہ، فاتحہ خلف الامام سر پڑھنا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی جہری و سری نمازوں میں قراءت خلف الامام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین ج ۱ ص ۲۳۹ ج ۳ ص ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۷۸ ج ۳ ص ۳۷۸ وسندہ حسن، شرح معانی الآثار للطحاوی ۲/۲۱۸)
اسے حاکم، ذہبی اور دارقطنی نے صحیح کہا ہے۔

② دیوبندیوں اور بریلیویوں کے نزدیک امام و منفرد دونوں پر سورۃ فاتحہ فرض نہیں بلکہ صرف (پہلی) دو رکعتوں میں واجب ہے، آخری دو رکعتوں میں اگر جان بوجھ کر فاتحہ نہ پڑھے تو نماز بالکل صحیح ہے۔ (دیکھئے قدوری ص ۲۲، ۲۳، ہدایہ اولین، ج ۱ ص ۱۴۸، فتح القدیر لابن ہمام ج ۱ ص ۳۹۵، ہشتی زیور ص ۱۶۳ حصہ دوم ص ۱۹، باب ہفتم مسئلہ ۱، بہار شریعت حصہ سوم ص ۴۱)

اگر امام یا منفرد کی سورۃ فاتحہ پہلی دو رکعتوں میں بھی سہوارہ جائے تو دیوبندیوں و بریلویوں کے نزدیک سجدہ سہو سے کام چل جائے گا، رکعت دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

③ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اثر: ”لا قراءة مع الإمام في شيء“

(مسلم ۵۷۷۷/۱ ج ۲۱۵)

قراءة المقتدی بالجہر پر محمول ہے اور فاتحہ اس کے عموم سے مخصوص ہے، مع الامام کا مطلب جہراً مع الامام ہے۔ یہی جواب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے آثار کا ہے (من صلی وراء الإمام كفاه قراءة الإمام راثر) یعنی: مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اور اس کے علاوہ باقی قراءت میں امام کی قراءت کافی ہے۔

④ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا اثر مرفوع حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

ظفر احمد تھانوی صاحب دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”ولا حجة في قول الصحابي في معارضة المرفوع“ مرفوع حدیث کے

مقابلے میں صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا۔ (اعلاء السنن ۴۳۸/۱ ج ۳۳۲، دیکھئے ص ۳۷)

خود دیوبندیوں کے نزدیک دو رکعتیں فاتحہ کے بغیر ہو جاتی ہیں، جیسا کہ نمبر ۲ میں گزر چکا ہے جبکہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک ایک رکعت بھی فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی لہذا اس اثر سے دیوبندیوں و بریلویوں کا استدلال، خود ان کے مسلک کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے۔

⑤ فاتحہ خلف الامام کی دوسری مرفوع احادیث کے لئے تحقیق الکلام، الکواکب الدریہ وغیرہما کا مطالعہ کریں، نیز حدیث نمبر ۱۴ دیکھیں۔

⑥ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھ لے، چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر لازم ہے کہ سری اور جہری (دونوں نمازوں) میں سورۃ فاتحہ پڑھے۔ ربیع بن سلیمان المرادی نے کہا: یہ امام شافعی کا آخری قول ہے جو ان سے سنا گیا۔

(معرفت السنن والآثار للبیہقی ۵۸۸/۲ ج ۹۲۸ و سندہ صحیح)

ابومعاذ

تذکرۃ الاعیان

امام دارقطنی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن دینار بن عبد اللہ
البغدادی الدارقطنی رحمہ اللہ

ولادت: ۳۰۶ھ (تاریخ بغداد ۳۹۱/۲، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳)

اسما تذہ: ابوالقاسم البغوی، ابوبکر بن ابی داؤد، یحییٰ بن صاعد اور اسماعیل بن محمد الصغار وغیرہم
تلامذہ: ابونعیم الاصبہانی، ابوبکر البرقانی، حاکم صاحب المستدرک، ازہری، خلال،
جوہری، تنوخی، عقیقی، قاضی ابوالطیب الطبری اور حافظ عبدالغنی بن سعید وغیرہم
تصانیف: سنن دارقطنی، کتاب العلل، الموتلف والمختلف، فضائل الصحابہ، المستجاب من
فعلات الاجواد، تعلیقات الدارقطنی علی البحر وحین لابن حبان، الضعفاء والمتروکون، الافراد
والغرائب اور ذکر اسماء التابعین وغیرہ۔

آپ بہت سی علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔

علمی مقام: تمام محدثین آپ کی امامت، ثقاہت اور جلالت شان پر متفق ہیں۔

قاضی شیخ الاسلام ابوالطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۵ھ) نے فرمایا:

”کان الدارقطني أمير المؤمنين في الحديث“

حدیث میں دارقطنی امیر المؤمنین تھے۔ (تاریخ بغداد ۳۹۱/۲، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳)

حافظ عبدالغنی بن سعید نے امام دارقطنی کو اپنے زمانے میں حدیث پر بہترین کلام کرنے
والے قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۳۹۱/۲، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳)

خطیب بغدادی نے انھیں امام وقت قرار دینے کے ساتھ صدق و امانت، فقہ و عدالت
والے، صحیح العقیدہ اور صحیح المذہب کہا ہے۔ (تاریخ بغداد ۳۹۱/۲، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳)

حافظ ذہبی نے کہا: ”الإمام الحافظ المجود شيخ الإسلام علم الجهابذة ...“

المقريء المحدث “ (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۴۹) حافظ ذہبی مزید فرماتے ہیں: ”بل كان سلفياً“ بلکہ وہ (امام دارقطنی) سلفی تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۵۷)

حاکم نیشاپوری نے امام دارقطنی کی زبردست تعریف کی۔

(اطراف الغرائب والافراد محمد بن طاہر المقدسی ۲۱/۱ وسندہ صحیح)

امام دارقطنی صحیح بخاری کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ومع هذا فما في هذه الكتب خيراً و أفضل من كتاب محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله“

اس کے ساتھ ان کتابوں میں محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے بہتر اور افضل کوئی کتاب نہیں۔ (اطراف الغرائب والافراد ۲۰/۱ وسندہ صحیح)

حافظہ: اللہ تعالیٰ نے امام دارقطنی کو بے پناہ حافظہ عطا کیا تھا جیسا کہ کتب تاریخ میں صحیح سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے النبلاء ۱۶/۴۵۶)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے (مشہور امام) برقانی سے پوچھا: کیا ابوالحسن الدارقطنی (اپنی) کتاب العلل آپ کو زبانی لکھواتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! (تاریخ بغداد ۱۲/۳۷)

کتاب العلل کی گیارہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور مزید جلدیں چھپ رہی ہیں۔ یہ فن حدیث کے مشکل ترین علم میں عظیم الشان کتاب ہے جسے حافظ امام دارقطنی نے زبانی لکھایا ہے۔

معلوم ہوا کہ اپنے دور میں وہ روئے زمین پر سب سے بڑے حافظ تھے۔ اسی وجہ سے حافظ ذہبی نے اس امر عظیم پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ دیکھئے النبلاء ۱۶/۴۵۵)

وفات: امام دارقطنی ۸ ذوالقعدہ ۳۸۵ھ بدھ کے دن فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

فائدہ: امام دارقطنی رحمہ اللہ کے حالات پر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے تقریباً ۱۸۸ صفحات کی ایک کتاب ”امام دارقطنی“ کے نام سے لکھی ہے جسے کافی عرصہ پہلے ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد سے شائع کیا گیا تھا اور یہ بہت مفید کتاب ہے۔ والحمد للہ

ابومعاذ

اجماع اور اجتہاد

امام دارمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أخبرنا محمد بن عيينة عن علي بن مسهر عن أبي إسحاق عن الشعبي عن شريح أن عمر بن الخطاب كتب إليه : إن جاءك شيء في كتاب الله فاقض به ولا تفتك عنه الرجال ، فإن جاءك ما ليس في كتاب الله فانظر سنة رسول الله ﷺ فاقض بها ، فإن جاءك ما ليس في كتاب الله ولم يكن فيه سنة من رسول الله ﷺ فانظر ما اجتمع عليه الناس فخذ به ، فإن جاءك ما ليس في كتاب الله ولم يكن في سنة رسول الله ﷺ ولم يتكلم فيه أحد قبلك فاختر أي الأمرين شئت : إن شئت أن تحتهد برأيك ثم تقدم فتقدم وإن شئت أن تتأخر فتأخر ، ولا أرى التأخر إلا خيراً لك .“ ہمیں محمد بن عیینہ (الفراری ابو عبد اللہ الشامی الثغری المصیصی) نے حدیث بیان کی وہ علی بن مسہر سے وہ ابواسحاق (سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی) سے وہ (عامر بن شراحیل) الشعمی سے وہ شریح (بن الحارث القاضی رحمہ اللہ) سے بیان کرتے ہیں کہ (سیدنا) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے ان کی طرف لکھ کر بھیجا: جب تمہارے پاس کتاب اللہ میں سے کوئی چیز (دلیل) آئے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اس کے مقابلے میں لوگوں کی طرف التفات نہ کرنا، پھر اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت (حدیث) دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ کرنا۔ اگر کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی نہ ملے تو دیکھنا کہ کس بات پر لوگوں کا اجماع ہے پھر اسے لے لینا۔ اگر کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی نہ پاؤ اور تم سے پہلے کسی نے اس کے بارے میں کلام نہ کیا ہو تو دو کاموں میں سے جو چاہو اختیار کر لو: یا تو اجتہاد کرو اور فیصلہ کر دو یا پیچھے ہٹ جاؤ اور فیصلے میں تاخیر کرو اور میرا خیال ہے کہ تمہارے لئے تاخیر ہی بہتر ہے۔ (سنن الدارمی: ۶۹/۱۸۲۳۱ ج ۵۴۱ من حدیث سفیان الثوری عن الشیبانی بہ) تحسین حدیث وروی عنہ جماعۃ فہو صدوق، سنن النسائی: ۲۳۱/۸ ج ۵۴۱ من حدیث سفیان الثوری عن الشیبانی بہ)

البومعاز

احسن الحديث

ہدایت کی اقسام

﴿الْم تِلْكَ اَيُّ الْحِكْمِ ۝ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُوْنُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ الف لام میم، یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ جو لوگ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (لقمان: ۱-۵)

فقہ القرآن:

- ① الم حروف مقطعات ہیں جن کے مفہوم کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ قسم ہے اور بعض کہتے ہیں: یہ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ راجح یہ ہے کہ ان حروف کا صحیح مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔
- ② تلك (وہ) سے مراد ہذا (یہ) ہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور مفسر قرآن امام عکرمہ رحمہ اللہ نے ذلك کو ہذا قرار دیا ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری (۴/۱۷۱ء وسندہ صحیح)
- ③ ہدایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) سیدھے راستے کی طرف عام انسانوں کی راہنمائی (۲) سیدھے راستے پر چلانا۔ پہلی قسم میں تمام انسان بشمول کفار شامل ہیں جن کے سامنے ہدایت پیش کر دی گئی ہے۔ دوسری قسم میں صرف اہل ایمان مخاطب ہیں جنہیں متقین کہا گیا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔
- ④ فلاح پانے والے اور کامیاب لوگ وہ ہیں جو کتاب و سنت کی اتباع اور شریعت کی پابندی پر ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ انہیں ایک دن اپنے رب کے دربار میں حاضری اور اس کی رحمت کا پورا پورا یقین ہے۔

آل تقلید کی کشمکش

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا:

”اے جماعت مقلدین! تمہارا حال عجیب ہے جب تمہیں کوئی آیت اپنے امام کے قول کے موافق مل جائے تو ظاہر تو یہ کرتے ہو کہ تم اس پر عمل پیرا ہو حالانکہ تمہارا دار و مدار اپنے امام کے قول پر ہوتا ہے، آیت پر نہیں، اگر اسی طرح کی آیت تمہارے امام کے قول کے مخالف ہو تو تم اس پر عمل کرنے کی بجائے اس کی تاویل اور اسے ظاہر معنی سے ادھر ادھر کرنے پر پورا زور لگا دیتے ہو کہ وہ تمہارے مذہب کے موافق نہ تھی، بالکل یہی طرز عمل تمہارا سنت کی نصوص میں ہے، اگر تمہیں کوئی حدیث اپنے مذہب کے موافق مل جائے تو اسے لے لیتے ہو اور کہنے لگتے ہو ہماری دلیل فلاں فلاں حدیث ہے، اور جب تمہیں ایک حدیث سے بھی زیادہ احادیث اپنے امام کے قول کے مخالف ملیں تو تم آنکھ اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھتے... اگر اپنے مذہب کے موافق مرسل روایت مل جائے تو کہتے ہو ہمارے نزدیک مراسیل حجت ہیں اور جب تمہیں ایک حدیث مرسل دکھائی جائے جو تمہارے امام کے مذہب کے خلاف ہو تو اول سے آخر تک سب کو رد کر دو گے اور کہو گے ہم مرسل پر عمل نہیں کرتے۔

اس سے بھی عجیب تر تمہارا یہ رویہ ہے کہ بسا اوقات تم ایک حدیث پر عمل کرتے ہو مرسل ہو یا مسند اس لئے کہ وہ تمہارے امام مذہب کے قول سے موافقت رکھتی ہے پھر اسی حدیث میں ایک اور حکم ہو جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہو تو تم اس حصے پر عمل نہیں کرتے حالانکہ وہ ایک ہی حدیث ہوتی ہے، گویا کہ اس کا وہ حصہ تو حجت ہے جو تمہارے امام کی رائے کے موافق ہے جس کی تم تقلید کرتے ہو اور وہ حصہ حجت نہیں ہے جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہے۔“ (اعلام الموقعین ۲/۲۱۴ طبع دار البیروت، لبنان)

[انتخاب: مقدمہ احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں اہل حدیث پر ص ۸۴، ۸۵،

از فضیلۃ الشیخ الاستاذ حافظ عبدالحمید ازہر المدنی حفظہ اللہ]